نومبر ۱۹۸۶ء

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپریس روڈ۔ لاہور

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حِکمتِ قرآن

لاھور

جاری کردہ: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

جلد ۵	اکتوبر، نومبر ۱۹۸۶ء مطابق صفر، ربیع الاوّل ۱۴۰۷ھ ہجری	شمارہ ۸/۹

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴

فون: ۸۵۲۶۱۱

کراچی آفس: ۱/۱۱ داؤد منزل متصل شاہ بکیری۔ شاہراہ لیاقت، کراچی (فون: ۲۱۶۵۸۶)

سالانہ زرِ تعاون -/۳۰ روپے ——— فی شمارہ -/۳ روپے

مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

اس شمارے کی قیمت -/۵ روپے

فہرس

- حرفِ اوّل ——— ۳
  "اعترافِ تقصیر اور عزمِ جدید"
  ——— ڈاکٹر اسرار احمد
- قندِ مکرّر ——— ۹
  ——— "حکم و عبر" (شائع شدہ حکمتِ قرآن مئی جون ۸۲ء)
  ——— شذرۂ تعزیت بر سانحۂ ارتحال ڈاکٹر محمد رفیع الدّین
  ——— ڈاکٹر محمد رفیع الدّین کی آخری تحریر: دیباچہ حکمتِ قرآن
- ہدایت القرآن (۱۰) ——— ۲۱
  ——— مولانا محمد تقی امینی
- درسِ قرآن ——— ۲۷
  سورۃ محمدؐ (قسط ۴)
  ——— ڈاکٹر اسرار احمد
- اسلام میں مزدوروں کے حقوق ——— ۴۱
  ——— مترجم: مولانا شبیر احمد نورانی
- غیر مسلمین کے ساتھ موالات کا حکم ——— ۵۵
  ——— غازی عُزیر
- سیرۃُ الخلیل ——— ۷۵
  "مہد سے لحد تک"
  ——— مولانا الطاف الرحمٰن بنوی
- مولانا عبید اللہ سندھی کے مکتوبات ——— ۸۳
  ——— پروفیسر محمد اسلم
- تبصرۂ کتب ——— ۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

اسرار احمد

اعترافِ تقصیر اور عزمِ جدید

اس سال اواخر اگست میں جب ان سطور کا راقم امریکہ اور حجازِ مقدس کے سفر سے واپس آیا تو برادر عزیز ڈاکٹر ابصار احمد اور عزیزم عاکف سعید سلمہٗ نے یہ تجویز پیش کی کہ 'حکمتِ قرآن' کو سہ ماہی کر دیا جائے، اس لیے کہ اس کے لیے مناسب مواد نہیں مل رہا ——— اس پر راقم کو فوری تنبّہ اور شدید احساس ہُوا کہ اُس سے ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کی امانت کا حق ادا کرنے میں بڑی کوتاہی ہوئی ہے جس کا اُسے علیٰ رؤس الاشہاد اعتراف کرنا چاہیئے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام 'حکمتِ قرآن' کی اشاعت نظری طور پر تو مارچ ۱۹۸۲ء میں شروع ہوئی تھی لیکن مارچ اور اپریل کا مشترک شمارہ محض قانونی ضرورت پوری کرنے کے لیے (گویا صحافتی اصطلاح میں بطور 'ڈمّی') شائع ہُوا تھا۔ لہٰذا باقاعدہ اشاعت مئی ۱۹۸۲ء سے شروع ہوئی۔ سال ۸۲ء کے دوران مئی تا دسمبر دو دو ماہ کی مشترک اشاعتوں پر مشتمل چار شمارے شائع ہوئے۔ اس کے بعد تین سال تک یعنی ۸۳ء، ۸۴ء اور ۸۵ء کے دوران الحمدللہ کہ اس کی اشاعت باقاعدہ رہی اور ہر سال صرف ایک ایک بار دو ماہ کا مشترک پرچہ شائع ہُوا۔ البتہ ۸۶ء کے دوران ایسے محسوس ہوتا ہے کہ علم بیان کی ایک اصطلاح "العود الیٰ البدء" کا معاملہ ہو گیا۔ یعنی صرف جنوری، فروری اور جولائی کے پرچے ایک ایک ماہی شائع ہو سکے۔ جبکہ تین دو دو ماہی اشاعتیں اس سے قبل شائع ہو چکی ہیں اور چوتھی یہ حاضرِ خدمت ہے!

جہاں تک مضامین کا تعلق ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بعض نہایت

اعلیٰ اور معیاری سمی مضامین بھی اس ساڑھے تین سالہ دور میں شائع ہوئے، جیسے مولانا محمد تقی امینی اور مولانا محمد طاسین مدظلہما کے گراں قدر مقالات اور بعض دوسرے اصحابِ علم و فضل کے وقیع علمی مضامین، لیکن بحیثیت مجموعی راقم الحروف اس اعتبار سے بھی اطمینان کا اظہار نہیں کر سکتا ـــ اس لیے کہ اپنے نام کی مناسبت سے اسے ایک عام مذہبی یا اصلاحی یا تبلیغی ماہنامہ نہیں بلکہ خصوصیت کے ساتھ قرآنِ حکیم کے فلسفہ و حکمت کا شارح و ناشر مجلّہ ہونا چاہیئے!

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ان سطور کا مقصد محض 'اعترافِ تقصیر' ہی نہیں بلکہ ایک 'عزمِ جدید' کا اظہار بھی ہے۔ لہٰذا راقم الحروف قارئین 'حکمت قرآن' سے وعدہ کرتا ہے کہ اگرچہ آئندہ بھی اس کی 'ادارت' کی اصل ذمہ داری حسبِ سابق برادرم ابصار احمد اور عزیزم عاکف سعید کے سپرد رہے گی تاہم راقم بھی اس کی جانب پوری توجہ دے گا اور 'مدیرِ مسئول' کی حیثیت سے پوری کوشش کرے گا کہ اس کی پابندیٔ اشاعت کو بھی از سرِ نو بحال کیا جائے ـــ اور اس میں شائع ہونے والے مضامین بھی نہ صرف یہ کہ علمی و تحقیقی ہوں بلکہ اس کے نام سے بھی زیادہ سے زیادہ مناسبت رکھتے ہوں۔

دو ماہی اشاعتوں کے ضمن میں 'العود الی البدء' کے جس اصول کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اسے اس مجلّہ کی نوعیت اور مقاصدِ اشاعت کے ضمن میں پورے طور پر بروئے کار لانے کے لیے اسی اشاعت میں اوّلاً راقم الحروف کی وہ تحریر دوبارہ شائع کی جا رہی ہے جو مئی جون ۸۲ء کی اشاعت میں اس کی گذشتہ 'تاریخ'، انجمن خدام القرآن میں اس کی 'شانِ ورود' ـــ اور حکمتِ قرآنی کے ضمن میں علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین (غفر اللہ لہما و رحمہما) کے بارے میں راقم کی رائے پر مشتمل ہے۔ اس طرح 'حکمتِ قرآن' کے اس دورِ نو کا آغاز بھی اسی مقام سے ہوگا جہاں سے اس نے اوّلاً سفر کا آغاز کیا تھا ـــ اب یہ اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق پر منحصر ہے کہ یہ 'دورِ جدید' "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!" ـــ ہی نہیں، اس سے بھی بڑھ کر "رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور!" کا مظہرِ اتم بن جائے! ؎

میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر!

ہماری قوم بحیثیتِ مجموعی تو علم و فضل کی قدر کرنے کی صلاحیت سے محروم محض ہو چکی ہے، راقم کو اصل گلہ اس کا ہے کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کو اُن کے مخلصوں دراُن کے مداحوں نے بھی بہت جلد بھلا دیا۔ چنانچہ 'حکمتِ قرآن' کو بھی اُن کے حلقے سے کوئی قلمی تعاون حاصل نہ ہوسکا۔ راقم الحروف کا 'مزاج'، جیسا کہ ۱۹۸۲ء کی متذکرہ بالا تحریر میں بھی بیان ہُوا ہے، "ع" میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!" سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس نئے دور میں 'حکمتِ قرآن' کی سب سے اہم کوشش یہ ہو گی کہ قوم کو قرآن حکیم کی اُس حکمت سے وسیع سے وسیع پیمانے اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر رُوشناس کرایا جائے جس کی اِس دور کے انسان کو اصل ضرورت ہے — اور جس کے اس دور کے عظیم ترین شارحین علامہ اقبال اور ڈاکٹر رفیع الدین ہیں!

— چنانچہ مستقبل کے نقشۂ کار کے ضمن میں یہ چند اُمور نوٹ کر لیے جائیں کہ:

۱۔ دسمبر ۱۹۸۶ء کی اشاعت بالکلیہ اسلامی تحقیق کے موضوع پر ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کی اس گرانمایہ تحریر پر مشتمل ہو گی جو اوّلاً اقبال اکیڈمی کی جانب سے بزبان انگریزی شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد خود مصنف ہی کے قلم سے اُردو میں ڈھل کر "دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور" کے زیرِ اہتمام "اسلامی تحقیق کا مدّعا مفہوم اور طریقِ کار" کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی ہے جو اب عرصے سے ناپید ہے۔

اِس کے ساتھ ہی ان شاء اللہ دسمبر کے شمارے میں 'حکمتِ قرآن' میں اب تک کے شائع شدہ مضامین کا اشاریہ بھی شامل کر دیا جائے گا۔ اور اس اشاعت پر جلد پنجم ختم کر دی جائے گی۔

۲۔ جنوری ۱۹۸۷ء سے ان شاء اللہ 'حکمتِ قرآن' کی جلد ششم کا آغاز ہو جائے گا اور اس میں ڈاکٹر صاحب کی دو تصانیف سلسلہ وار شائع ہوں گی:

ایک ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف "حکمتِ اقبال" — جو علامہ اقبال کے اس دعوے کے پیشِ نظر کہ "ع" گوہرِ دریائے قرآں سفتہ ام!" — اور اس کے ضمن

ہیں بالخصوص ان اشعار سے ہویدا خود اعتمادی کی رُو سے 'حکمتِ قرآن' ہی کی فلسفیانہ تشریح وتعبیر پر مشتمل ہے کہ :

گر دلم آئینہ بے جوہر است ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کُن ایں خیاباں رازِ خارم پاک کُن

اور دوسری ڈاکٹر صاحب کی اہم تالیف "منشورِ اسلام" جو "کمیونسٹ مینی فیسٹو" کے ٹھیک ایک سو سال بعد شائع ہوئی تھی - اور جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو اُمید تھی کہ ان شاء اللہ تاریخ ساز کتاب ثابت ہو گی۔

'حکمتِ اقبال' کا پہلا ایڈیشن شیخ سردار محمد مرحوم پروپرائیٹر 'علمی کتاب خانہ' نے شائع کیا تھا اور بڑے سائز کے ۴۹۶ صفحات پر مشتمل تھا - اس کی کتابت وطباعت اگرچہ معیاری تھی لیکن قلم بہت باریک استعمال ہُوا تھا - اور اب طویل عرصے سے یہ کتاب بالکل نایاب تھی - راقم الحروف جب گذشتہ دسمبر میں پہلی بار انوطہبی گیا تھا تو وہاں ڈاکٹر صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شجاع الدین سے ملاقات ہوئی تھی - اس موقع پر انہوں نے مجھے 'حکمتِ اقبال' کا وہ نسخہ عنایت کیا تھا جس پر خود ڈاکٹر صاحب مرحوم نے نظرِ ثانی فرما کر اپنے قلم سے اصلاح وتصحیح اور حک واضافہ کیا تھا - میں نے اُن سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں اسے شائع کر دوں گا ـــــ لیکن بعد میں کتاب کی ضخامت جس میں قلم کے ذرا جلی کرنے سے مزید اضافہ ہو جائے گا ـــــ اور ادھر مکتبۂ انجمن خدام القرآن کی مالی حالت کے پیشِ نظر میں کسی قدر مذبذب ہو گیا - چنانچہ میں نے کتاب کے موضوع اور عنوان کی مناسبت سے 'اقبال اکیڈمی' سے رابطہ قائم کیا جو اب لاہور میں ہے اور جس کے موجودہ ڈائریکٹر پروفیسر مرزا محمد منوّر صاحب ہیں جو راقم کے کرم فرما اور ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے قدر شناس ہیں - چنانچہ مرزا صاحب موصوف نے کتاب شائع کرنے کی ہاں بھی کر دی - لیکن اپنے حالیہ سفرِ امریکہ کے دوران (جس کی مختصر رُوداد 'میثاق' اکتوبر ۸۶ء میں شائع ہو چکی ہے) دُبئی میں راقم کی ملاقات ڈاکٹر صاحب مرحوم کے منجھلے صاحبزادے عبدالسلام صاحب سے ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے اُس تعلقِ خاطر کے پیشِ نظر جو انہیں راقم سے تھا، اصرار کیا کہ کتاب آپ ہی شائع کریں - مالی بوجھ ہم سب بھائی برداشت کر لیں گے ـــــ چنانچہ میں نے دوبارہ ہاں

کرلی ـــــ اب ان شاء اللہ العزیز اس مایۂ ناز کتاب کی کتابت اُس کے شایانِ شان معیار پر کرائی جائے گی اور جیسے جیسے کتابت ہوتی جائے گی۔ قسط وار اشاعت 'حکمتِ قرآن' میں ہوتی رہے گی اور جیسے ہی کتابت کی تکمیل ہو گی کتابی شکل میں شائع کر دی جائے گی ـــ

'منشورِ اسلام' اوّلاً انگریزی میں شائع ہوئی تھی۔ اُس کے اُردو ترجمہ کے لیے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے باصرار پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کو آمادہ کیا تھا۔ لیکن اس کی پہلی ہی قسط سے وہ غیر مطمئن ہو گئے اور ترجمہ بھی خود ہی شروع کر دیا جس کی تین چار اقساط ہی 'میثاق' میں شائع ہوئی تھیں کہ ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اب اوّلاً وہ شائع شدہ اقساط دوبارہ شائع ہوں گی اور مزید ترجمہ ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر ابصار احمد کریں گے۔

۳۔ 'حکمتِ قرآن' جس قرآنی تحریک اور دعوت 'رجوع الی القرآن' کا علمبردار ہے اُس کے فکری اور تاریخی پس منظر کی وضاحت کے ضمن میں راقم کے بعض مضامین ۷۶-۱۹۷۵ء میں 'میثاق' میں شائع ہوئے تھے۔ پھر انہیں یکجا 'حکمتِ قرآن' کی جولائی و اگست ۱۹۸۲ء کی مشترک اشاعت میں شائع کیا گیا تھا۔ اب ان کی بھی کتابی صورت میں طباعت کے لیے اعلیٰ معیار کی کتابت کرائی جا رہی ہے۔ 'حکمت قرآن' کے نئے دور کے آغاز کی مناسبت سے یہ مضامین بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں گے!

۴۔ حکمتِ قرآنی کے بحرِ ذخار میں غوّاصی کا حق ادا کرنے کے لیے 'تدبّرِ قرآن' کے جس سائنٹیفک منہاج کی ضرورت ہے، وہ راقم کے نزدیک اس دور میں فراہیؒ 'مکتبِ فکر' نے فراہم کیا ہے ـــ چنانچہ 'افاداتِ فراہیؒ' ایک طویل عرصہ تک 'میثاق' کے جزو لازم رہے ہیں۔ ان شاء اللہ اب یہ سلسلہ بھی دوبارہ شروع کیا جائے گا ـــ اور حکیم فراہیؒ کے شاگردِ رشید مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر 'تدبّرِ قرآن' میں جو منفرد تعبیرات اختیار کی ہیں اُن کے ضمن میں بھی اگر مولانا کی قلمی معاونت حاصل رہی تو ایک علمی مذاکرہ 'حکمتِ قرآن' کا مستقل موضوع رہے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

۵۔ فلسفہ و حکمت کے موضوع پر پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے بعض نوادرات

بھی ان شاء اللہ ہدیۂ قارئین ہوں گے۔

۶۔ مولانا محمد تقی امینی مدظلہٗ کا قلمی تعاون بھی ان شاء اللہ 'حکمتِ قرآن' کو حاصل رہے گا۔

۷۔ راقم الحروف کی خدمتِ قرآن اصلاً دعوتی و تبلیغی اور مآل کار کے اعتبار سے تحریکی و انقلابی نوعیت کی ہے۔ تاہم حقائق و معارفِ قرآنی کے موضوع پر بھی بعض تحریریں راقم کے قلم سے نکلی ہیں۔ جن میں سے بعض تشنۂ تکمیل ہیں ــــ اور مزید بعض موضوعات پر مواد بھی ذہن میں موجود ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ راقم کو ضروری فرصت اور اطمینان نصیب فرمائے۔ تاکہ ذہن کا بار صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو سکے۔

وما توفیقی الاّ باللہ العلیّ العظیم

آخر میں ایک اہم انتظامی اعلان بھی! ــــ آئندہ سے 'حکمتِ قرآن' ان شاء اللہ العزیز مستقل طور پر سفید کاغذ پر چھپے گا اور اس کے لیے مسطر بھی بجائے ۲۵ کے ۲۳ سطر کا استعمال ہوگا ــــ ضخامت ۶۴ صفحات ہوگی اور فی پرچہ قیمت ۴/۰ اور ہدیہ زرِ تعاون ۴۰/۰ ہوگا ــــ !

بقیہ : حکمتِ اقبال

کی روشنی میں اقبال کے فلسفہ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ زیرِ نظر کتاب 'حکمت اقبال' کا مطالعہ مدعا کے مطابق پائیں گے۔ امید ہے کہ جو احباب ان تینوں کتابوں کا مطالعہ کریں گے وہ دیکھیں گے کہ فلسفہ خودی کی مفصل تشریح کی حیثیت سے یہ تینوں کتابیں ایک دوسرے کی کمی کو بھی پورا کرتی ہیں

قندِ مکرر

حِکَم و عِبَر

اسرار احمد

(ماخوذ از 'حکمتِ قرآن' مئی جون ۸۲ء)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کے زیر اہتمام 'حکمتِ قرآن' کے پہلے شمارے کے لئے کچھ لکھنے کا خیال آتے ہی دل پر اک چوٹ سی لگی اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کا سراپا نگاہوں میں گھوم گیا ——— اور خاص طور پر ان کا مطمئن اور متبسم چہرہ چشم تصور کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ ——— اس لئے کہ اس مجلّے کا نام 'حکمتِ قرآن' ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کی امانت ہے ——— اور اس کا اجراءِ اوّل ان ہی کی قائم کردہ 'آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس' کے تحت ہوا تھا۔

دسمبر سنہ ۱۹۷۶ء کے ماہنامہ 'میثاق' کے تذکرہ و تبصرہ کے اوراق میں راقم الحروف کی ایک طویل تحریر شائع ہوئی تھی جس میں برصغیر پاک و ہند میں 'رجوع الی القرآن' کی اس تحریک کی پوری تاریخ بیان کی گئی تھی جس کا آغاز امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ہوا تھا۔ اور جو بعد کے ادوار میں مختلف دھاروں میں منقسم ہو کر آگے بڑھی جن میں سے بعض تو 'ضَلُّوا فَاَضَلُّوا' کا مصداق کامل بن گئے، اور بعض صحت مند خطوط پر آگے بڑھے اور تا حال کچھ متوازی سے انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں، اور راقم کے نزدیک اس وقت شدید ترین ضرورت اس امر کی ہے کہ ان میں تالیف و امتزاج کا رنگ پیدا ہو۔ اور فہم و فکرِ قرآن کے تمام صحتمند دھارے باہم مل کر ایک زبردست علمی و تحریکی قوت بن جائیں ——— (اور اپنی امکانی حد تک راقم اسی کے لئے کوشاں ہے!) 'حکمتِ قرآن' کی آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ وہ پوری تحریر اس موضوع سے متعلق راقم کی بعض دوسری تحریروں سمیت "**دعوتِ رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر**" کے عنوان سے شائع کر دی جائے گی۔

راقم کے نزدیک 'فہم قرآن' کو اگر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے یعنی ایک 'علم قرآن' اور

دوسرے "حکمتِ قرآنی" تو مقدم الذکر کے اعتبار سے بلاشبہ اوّلیت و اقدمیت کا مرتبہ و مقام حاصل ہے ان "راسخون فی العلم" علماء کرام کو جو نہ صرف یہ کہ عربی زبان و ادب اور علوم دینیہ (صرف، نحو، معانی، بیان، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ) پر پوری دسترس رکھتے ہوں بلکہ اسلاف کے "العروۃ الوثقیٰ" کو بھی مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں، وہاں "حکمتِ قرآنی" کے بحرِ ذخار کی غواصی اس کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ نہ صرف فلسفہ قدیم و جدید پر گہری نگاہ ہو بلکہ عہد جدید کے علوم طبیعیہ (ریاضی، طبیعیات، کیمیا، فلکیات، ارضیات، حیاتیات، عضویات اور نفسیات) سے بھی کم از کم اجمالی واقفیت ضرور رکھتے ہوں۔ مقدم الذکر گروہ میں میرے نزدیک دورِ حاضر کا اہم ترین سلسلہ ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ——— اور موخر الذکر حلقے کی عظیم شخصیتیں ہیں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم و مغفور اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور!! واللہ اعلم!

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم اور ان سطور کا راقم دونوں بالکل ایک ہی وقت وارد لاہور ہوئے ——— راقم الحروف ۵۴ء میں ایم بی بی ایس کے آخری امتحان سے فارغ ہو کر جو لاہور سے گیا تھا تو پھر پورے گیارہ سال بعد اواخر ۶۵ء میں دوبارہ وارد لاہور ہوا ——— اور ۶۶ء سے اس نے اپنی ان سرگرمیوں کا آغاز کیا جن کے نتیجے میں اولاً ماہنامہ "میثاق" کا دوبارہ اجراء ہوا، اور "دار الاشاعت الاسلامیہ" کا قیام عمل میں آیا ——— اور پھر آگے چل کر "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" اور "تنظیم اسلامی" کی تاسیس ہوئی ——— ادھر ڈاکٹر رفیع الدین ۶۵ء میں "اقبال اکیڈمی کراچی" (حال لاہور) کی ڈائریکٹری سے فارغ ہوئے اور اواخر ۶۵ء ہی میں لاہور منتقل ہوئے اور ۶۶ء میں انہوں نے "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" قائم کی جس کے تحت مجلہ "اسلامی تعلیم" (بزبان اردو) اور "اسلامک ایجوکیشن" (بزبان انگریزی) جاری ہوا۔ ——— اور بعد میں "حکمتِ قرآن" کا اجراء عمل میں آیا۔

ڈاکٹر صاحب اور راقم الحروف کی عمروں میں اگرچہ یقیناً ایک نسل کا فصل (مروجہ اصطلاح میں GENERATION GAP) تھا لیکن فکر و مزاج کی ہم آہنگی اور یگانگت کے باعث ۶۷ء تا ۶۹ء راقم کے نہایت قریبی مراسم ڈاکٹر صاحب کے ساتھ قائم رہے، اکثر

ڈاکٹر صاحب راقم کے مطلب میں "بیٹھتے تھے اور گھنٹوں نشست رہتی تھی اور بارہا ڈاکٹر صاحب نے راقم کو باصرار صبح ناشتہ پر بلایا اور نہایت پُرتکلف ناشتہ کرایا۔ لیکن افسوس کہ یہ صحبتیں ع "خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود!" کے مصداق جلد ہی ختم ہوگئیں اور اواخر ۶۹ء میں ع "آں قدح بشکست وآں ساقی نماند"! والا معاملہ ہوگیا ——— فَیَا اَسَفَا وَیَا حَسْرَتَا !!

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد اگرچہ ان کے بعض رفقاء نے ان کے مشن کو جاری رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن چونکہ ان میں سے اکثر حضرات سرکاری ملازمت میں تھے۔ لہٰذا وہ بس ایک حد تک ہی وقت دے سکے۔ نتیجۃً رفتہ رفتہ صورت یہ ہوگئی کہ "آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس" کا نام اور دفتر تو باقی رہ گئے 'کام' ختم ہوگیا۔ چنانچہ 'حکمت قرآن' نے بھی دو ایک ہچکیاں لیں اور دم توڑ دیا۔ اس اثنا میں مشیت ایزدی سے راقم کے ذاتی مراسم ڈاکٹر صاحب کے دوست اور رفیق کار اور ایجوکیشن کانگریس کے ڈائریکٹر چودھری مظفر حسین صاحب سے اس حد تک استوار ہوگئے کہ اس کی درخواست پر انہوں نے اپنے رفقاء سے مشورے کے بعد 'حکمت قرآن' کا ڈیکلریشن SURRENDER کر دیا۔ جس کے لئے راقم نے درخواست دے دی جو ضروری مراحل سے گذر کر منظور ہوگئی ——— اور اس طرح 'حکمت قرآن' کا یہ اجراءِ ثانی عمل میں آیا ——— راقم اسی کرم فرمائی کے لئے چوہدری مظفر حسین صاحب اور ان کے رفقاءِ کار کا دل سے ممنون ہے۔

راقم کا یہ معاملہ بھی دلچسپ اور عجیب ہے کہ 'میثاق' بھی اولاً مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مدظلہ نے جاری کیا تھا۔ لیکن حالات کچھ ایسا رُخ اختیار کر گئے کہ وہ اسے جاری نہ رکھ سکے۔ چنانچہ راقم جب لاہور منتقل ہوا تو اس کی اشاعت کئی ماہ سے معطل تھی اور راقم ہی کو اس کی 'تجدید' کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اب یہی سعادت راقم کو 'حکمت قرآن' کے ضمن میں نصیب ہو رہی ہے ——— فلہ الحمد والمنّۃ!

اس پر بے اختیار علامہ اقبال مرحوم کی معرکۃ الآرا نظم 'ذوق و شوق' کا یہ شعر ذہن میں آرہا ہے ؎

میں کہ میری نوا میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!!

بہرحال ایک بات اب بہت مناسب ہو گئی ہے یعنی یہ کہ 'حکمت قرآن' 'انجمن خدام القرآن' کے زیر اہتمام طبع ہوگا ــــــ اور 'میثاق' اللہ تعالیٰ سے 'میثاق الست' اور 'میثاق یمان' کی تجدید و توثیق کی دعوت کا نقیب بن کر 'تنظیم اسلامی' کے آرگن کی حیثیت سے شائع ہوگا ــــــ اللہ تعالیٰ ان دونوں مجلّوں کو اپنے دین متین اور کتاب مبین کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

چودھری مظفر حسین صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی لاہور منتقلی کی جو 'شانِ نزول' معلوم ہوئی اس کا ذکر ایک خاص اعتبار سے بہت دلچسپ ہے ــــــ اس لئے کہ جیسا کہ راقم کے احباب کے علم میں ہے راقم اس دور کا سب سے بڑا 'حکیم القرآن' سمجھتا ہے علامہ اقبال مرحوم کو اور ان کی 'حکمت قرآنی' کا واحد شارح سمجھتا ہے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کو۔ اور لاہور نقل مکانی کے سلسلے میں ان دونوں حضرات کے مابین ایک عجیب کڑی کی حیثیت حاصل ہے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کو ــــــ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مولانا کی دکن سے پنجاب منتقلی کا ذریعہ علامہ مرحوم ہی تھے۔ جنہوں نے چوہدری نیاز علی مرحوم کے ذریعے مولانا کو پنجاب آ کر "دارالاسلام" میں ڈیرہ لگانے کی دعوت (اگرچہ وہاں مولانا کے ساتھ اولاً معاملہ عدم موافقت ہی کا رہا تھا) ــــــ

اب سنیئے کہ ڈاکٹر رفیع الدین لاہور کیسے منتقل ہوئے! چوہدری مظفر حسین راوی ہیں کہ سابق صدر ایوب کی صدارت اور نواب کالاباغ کی گورنری کے دوران مغربی پاکستان کی حکومت کے اہم وزیر ملک خدابخش بُچہ نے ان سے کہا کہ کسی ایسے شخص کو تلاش کرو جو نظام تعلیم کو اسلامی رُخ پر تبدیل کرنے کی صلاحیت تو پوری رکھتا ہو لیکن اس پر جماعت اسلامی کی چھاپ نہ ہو۔ چوہدری صاحب مولانا مودودی کے نیاز مندوں ہی میں سے نہیں، عقیدت مندوں میں سے تھے انہوں نے اس کا ذکر مولانا مرحوم سے کیا تو ان کا کہنا ہے کہ [illegible] ایک لحظے کے توقف کے مولانا نے فوراً ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب کا نام لیا (جن سے چوہدری صاحب اس وقت تک بالکل ناواقف تھے)۔ اب چوہدری صاحب کے لئے مسئلہ یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہاں تلاش کریں اور کسی [illegible]

ذریعے ان سے رابطہ قائم کریں ـــــ اللہ تعالیٰ نے یہ مشکل سید اللہ بخش صاحب گیلانی مرحوم کے ذریعے حل کرادی جو اُن دنوں گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے استاد تھے ـــــ اور اسطرح ڈاکٹر صاحب لاہور منتقل ہوئے (اگرچہ یہ منتقلی بھی ڈاکٹر صاحب کو راس بالکل نہ آئی اور بخش صاحب اپنے سارے اختیار و اقتدار کے باوصف اس وقت کی بیوروکریسی کی مخالفت کے باعث ڈاکٹر صاحب کو کسی موزوں کام پر نہ لگا سکے۔ جس سے دل برداشتہ ہو کر ڈاکٹر صاحب نے اپنے طور پر کام شروع کر دیا!) ـــــ الغرض وہ دائرہ مکمل ہو گیا کہ علامہ اقبال نے لاہور بلوایا مولانا مودودی کو اور مولانا نے لاہور بلوایا علامہ کے معنوی جانشین ڈاکٹر رفیع الدین کو!

اس شمارے کا آغاز راقم ایک تو اپنے اُس شذرے سے کر رہا ہے جو اس نے ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے انتقال پر سپردِ قلم کیا تھا اور جو 'میثاق' کی دسمبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں ہوا تھا ـــــ دوسرے ڈاکٹر صاحب کی وہ آخری تحریر بھی اس اشاعت میں شامل کی جارہی ہے جو اپنی آخری تصنیف 'حکمتِ اقبال' کے دیباچہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب نے سپردِ قلم کی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شمارے سے 'حکمتِ قرآنی' کی نشر و اشاعت کا جو نیا سلسلہ شروع ہو رہا ہے اسے دوام بھی حاصل ہو اور قبولِ عام بھی! وما ذالك على الله العزيز!

اس پہلے شمارے کا ابتدائیہ تو راقم نے لکھ دیا ہے، لیکن آئندہ کے لئے یہ پرچہ کُلّیۃً حوالے رہے گا ڈاکٹر ابصار احمد سلمہٗ کے جو قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائرکٹر ہیں ـــــ اور نورِ چشم حافظ عاکف سعید سلمہٗ کے جو قرآن اکیڈمی کی رفاقت سکیم کے شریکِ اوّل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ضروری ہمت اور صلاحیت عطا فرمائے۔ آمین!

خاکسار

اسرار احمد

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپکی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

شذرۂ تعزیت بر

سانحۂ ارتحال ڈاکٹر محمد رفیع الدین

(شائع شدہ 'میثاق'، دسمبر ۱۹۶۹ء)

اس دوران جو اندوہناک حادثہ پیش آیا اس سے قارئین 'میثاق' واقف ہی ہیں۔ جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب مرحوم و مغفور کی موت عام حالات میں بھی واقع ہوتی تو کم غم انگیز نہ ہوتی لیکن اب جس صورت میں یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا ہے اس نے تو واقعتہً سب کے دل ہلا کر رکھ دیئے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کی رُوح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ـــــ اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے! آمین،

راقم نے آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ڈاکٹر صاحب کی تصنیف 'قرآن اور علم جدید' پڑھی تھی اور اسی وقت سے ایک حسنِ ظن ان کی ذات کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ انہی دِنوں جب ان کے ایک عزیز سے جو گورنمنٹ کالج منٹگمری میں لائبریرین تھے، یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں بلکہ ذکر صبحگاہی کے لذت آشنا بھی ہیں تو ان کی ذات سے ایک باقاعدہ غائبانہ عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۱-۶۲ء میں کراچی میں ڈاکٹر صاحب سے ایک دو بار ملاقات بھی ہوئی ـــــ تاہم ان سے راقم کے براہِ راست روابط کی عمر دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مناسبتِ طبع اور وحدتِ فکر کی وجہ سے اس مختصر مدت میں بھی نہایت قریبی تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ جن کا ایک مظہر 'میثاق' کے ساتھ

لہ ڈاکٹر صاحب کا انتقال کارنس روڈ کراچی پر ایک حادثہ میں ہوا۔ ڈاکٹر صاحب جس رکشا میں سوار تھے اسے ایک بس نے روند ڈالا۔ نتیجۃً ڈاکٹر صاحب بھی بری طرح کچلے گئے۔ حتیٰ کہ ان کا مغز تک سڑک پر بکھر کر رہ گیا ـــــ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ڈاکٹر صاحب کا مستقل قلمی تعاون تھا۔ (اگرچہ اس پر ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعض احباب کی ناخوشی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا ـــــ ذاتی طور پر بھی راقم پر ڈاکٹر صاحب کی شفقتیں اور عنایتیں روز افزوں تھیں۔ چنانچہ اس حادثہ فاجعہ پر بہت سے احباب نے بالکل بجا طور پر راقم کو تعزیت کا حقدار گردانا ـــــ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی حیثیت کے بارے میں راقم کا کچھ عرض کرنا اپنی حدود سے تجاوز ہے ـــــ پائدار علمی کاموں کی قدر بالعموم دیر ہی سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے یہاں تو زندگی میں قبول عام صرف صحافی قسم کے مصنفین کو حاصل ہوتا ہے۔ تاہم زمانہ بہترین منصف ہے۔ اور بقاءِ دوام صرف پائدار اور باوقار علمی تصانیف ہی کو حاصل ہوتا ہے اور انشاء اللہ زمانہ جلد ہی ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام و مرتبہ کو پہچان لے گا ـــــ تاہم راقم کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی اصل قدر و قیمت اور وقعت و عظمت اس اعتبار سے تھی کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور محبتِ خداوندی ان کے پورے وجود میں سرایت کئے ہوئے تھی ـــــ اور خصوصاً اس اعتبار سے ان کے دل و دماغ میں ایسی کامل ہم آہنگی پائی جاتی تھی کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ ان کا دل زیادہ مسلمان ہے یا دماغ ـــــ!! اور یہی چیز ہے جو اس دور میں بالکل عنقا ہے۔ اس لئے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی علم و ایمان کے خزانے علیحدہ علیحدہ تو مل جاتے ہیں۔ یکجا نظر نہیں آتے ـــــ!!

سچی خدا پرستی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت سے ایک نہایت گہرا اور نمایاں اثر مرحوم پر اس بات کا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اسلام کے شاندار مستقبل پر پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھتے تھے ـــــ اور اگرچہ پچھلے دنوں بعض ملکی حالات سے وہ بہت مضطرب رہے۔ حتیٰ کہ وقتی طور پر دل برداشتہ بھی رہے تاہم ان کے اس یقین میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی کہ مستقبل کی عالمگیر ریاست اسلام کی عطا کردہ سچی خدا پرستی کی بنیاد ہی پر قائم ہوگی۔

اور راقم کی رائے میں یہی ڈاکٹر صاحب کے پورے فکر کے وہ دو مرکزی خیال ہیں جن کے گرد ان کی تمام تصانیف کا تانا بانا قائم ہے ـــــ یعنی ایک یہ کہ انسان کا صحیح نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے محبتِ خداوندی اور دوسرے یہ کہ نوعِ انسانی جس سمت سفر کر رہی ہے اس کی بھی بس ایک

ہی منزل ممکن ہے اور وہ ہے اسلام !!!

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف 'حکمت اقبال' کا انتساب' اس اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا پورا فکر سمو کر رکھ دیا ہے۔ یعنی :

"ان عاشقان جمال ذات کے نام جو مستقبل کی اس ناگزیر عالمی ریاست کا آغاز کریں گے جو اسلام کی اس حکیمانہ توجیہہ پر قائم ہوگی جس کا نام فلسفۂ خودی ہے !"

راقم کے نزدیک 'عاشق جمال ذات' کا جامہ اس دور کے معروف پڑھے لکھے لوگوں میں سب سے زیادہ جس پر راست آتا تھا وہ خود ان ہی کی ذات تھی اور ان کی وفات سے محبت خداوندی کی محفل کی ایک اور شمع گل ہوگئی ـــــــ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی !

ایک بات کا خیال البتہ آتا ہے کہ اتنی عظیم ہستی اور ایسی مرگ ناگہاں۔ بلکہ کسمپرسی کی موت ماتم کی جا ہے کہ ہمارے یہاں بلیک مارکیٹیئے اور سمگلر لمبی لمبی کاروں میں پھرتے ہوں اور ایسے ایسے صاحب کمال لوگ اس طرح رکشاؤں میں سفر کریں اور ہر طرح کے خطرات کی عین زد میں رہیں۔ بقول ذوق ؎

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے ۔۔۔ اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

لیکن پھر خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا اپنے 'عاشقوں' کے ساتھ کوئی خاص ہی معاملہ ہے اور ؎ "شمع یہ سودائی دلسوزی پروانہ ہے"

کے مصداق یہ شمع اب پروانوں کی دلسوزی ہی کی سودائی نہیں بلکہ ان کی کامل شکستگی کی طالب ہے ؎

"کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں"

اور 'عاشقان جمال ذات' سے تو شاید "بخاک و خون غلطیدن" سے کم کسی بات پر معاملہ ہی نہیں ہوتا ! ؎

"بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن"
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"

ڈاکٹر محمد رفیع الدّین مرحوم و مغفور کی آخری تحریر

دیباچہ

حکمتِ اقبال

[ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کی آخری تصنیف 'حکمتِ اقبال' ہے جس کی طباعت کے مراحل ان کی وفاتِ حسرت آیات سے چند ہی روز قبل مکمل ہوئے تھے۔ بڑے سائز پر نہایت باریک اور گنجان کتابت کے قریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل اس درجہ عالمانہ کتاب کو علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر مفصل تبصرہ تو انشاء اللہ جلد ہی پروفیسر محمد منور صاحب کے قلم سے پیش ہوگا۔ فی الحال اس کا دیباچہ ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے ——— پہلے اس سبب سے کہ ہمارے اندازے میں یہی ڈاکٹر صاحب کی آخری تحریر ہے اور اس اعتبار سے اس کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس میں ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ کہ اپنی جملہ تصانیف کا اجمالی تعارف خود کرایا ہے ——— بلکہ اپنے پورے تصنیفی سلسلے کے معنوی ربط کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اس طرح اس مختصر سی تحریر کو ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کے مطالعے کی خواہش رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک قیمتی کلید کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے!! (مدیر ———)]

عرصہ دراز تک اقبال کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اقبال کے تصوّرات علمی اور عقلی اعتبار سے نہایت برجستہ، زوردار، درست اور ناقابلِ تردید ہیں اور اگرچہ یہ تصوّرات اس کی نظم اور نثر کی کتابوں میں جابجا بکھرے ہوئے پڑے ہیں۔ تاہم ان میں ایک علمی اور عقلی ربط موجود ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب صرف ایک تصور سے ماخوذ ہیں جسے اقبال خودی کا تصوّر کہتا ہے۔ لہٰذا اقبال کی تشریح کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ خودی کے مرکزی تصوّر کے ساتھ اس کے دوسرے تمام تصوّرات کے علمی اور عقلی ربط کو واضح کیا جائے اور اگر ایسا کرنے کے بغیر اس کی کوئی تشریح کی جائے گی تو وہ مسلمانوں کے لئے بالعموم اور غیر مسلموں کے لئے بالخصوص پوری

طرح سے قابل فہم اور تسلی بخش نہیں ہو سکے گی۔ دراصل اس وقت بھی اقبال کے خیالات کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں مسلمانوں یا غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں ان کا سبب یہی ہے کہ اقبال کے خیالات کی علمی اور عقلی ترتیب اور تنظیم مہیا نہیں کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں میرا نتیجہ یہ تھا کہ اقبال کا فلسفہ دنیا کے اور بڑے بڑے فلسفوں کی طرح بالقوہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل اور مسلسل فلسفہ ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کے تصورات میں ایک عقلی یا منطقی ترتیب اور تنظیم وجود ہوتی ہے جو اسے موثر اور یقین افروز بناتی ہے۔ اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے تصورات کی مخفی عقلی ترتیب اور تنظیم کو آشکار کر کے اس کے فکر کو ایک مکمل نظام حکمت (PHILOSOPHICAL SYSTEM) کی شکل دیجائے تاکہ وہ نہ صرف پاکستان کے اندر پوری طرح سے قابل فہم بن جائے بلکہ دنیا کے آخری باطل شکن عالمگیر فلسفہ کی حیثیت سے دنیا کے علمی حلقوں میں اپنا مقام حاصل کر سکے۔ لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو خدا کی توفیق سے اس کام کو انجام دینے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہایت ضروری تھا کہ اس کام کو انجام دینے کے لئے جو کتاب لکھی جائے اس میں ذیل کے راہ نما اصولوں کو شروع ہی سے مدنظر رکھا جائے۔

اوّل۔ ایک فلسفہ یا نظام حکمت، اشخاص کی سند یا شہادت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ علمی حقائق اور عقلی استدلال پر انحصار و مدار رکھتا ہے۔ اس کے کسی تصور کو اس لئے نہیں مانا جاتا کہ کوئی شخص اس کی حمایت یا سفارش کر رہا ہے بلکہ اس لئے مانا جاتا ہے کہ وہ ایسے علمی حقائق پر مبنی ہے جو معلوم اور مسلّم ہے۔ یا جن کے عقب میں ایسا زوردار عقلی استدلال موجود ہے جو ان سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ اگر فلسفہ میں سند یا شہادت پیش کی جائے تو وہ صرف موثر علمی اور عقلی استدلال کے بعد اس کے نتائج کی تائید مزید کے لئے ہی ہو سکتی ہے اور وہ بھی فلسفی کی اپنی نہیں بلکہ ایسے دوسرے اشخاص کی سند اور شہادت ہی ہو سکتی ہے جن کے فکر کی عظمت پہلے سے مسلّم ہو جیسطرح ہیگل یا کسی اور فلسفی نے اپنے کسی حکیمانہ نکتہ کو ثابت کرنے یا لوگوں سے منوانے کے لئے کبھی اپنا ہی قول بطور دلیل کے پیش نہیں کیا۔ ہم بھی اقبال کے نظام حکمت کی تدوین کرتے ہوئے اقبال کے کسی حکیمانہ نکتہ کو ثابت کرنے یا لوگوں سے منوانے کے لئے خود اقبال کا ہی کوئی قول بطور دلیل کے پیش نہیں کر سکتے اور خود اقبال نے بھی اپنے تصورات کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کبھی اپنے قول کو بطور دلیل کے پیش نہیں کیا۔ بلکہ قوانین قدرت اور حقائق علمی کی طرف اشارے

کئے ہیں۔ لہٰذا اقبال کے نظام حکمت کی تدوین کے لئے جو کتاب لکھی جائے گی اس میں اقبال کا حوالہ نہیں دیا جائے گا بلکہ فقط علمی حقائق اور عقلی استدلال کی مدد سے اقبال کے تصورات کی صحت اور معقولیت کو ثابت کیا جائیگا۔

دوئم۔ اقبال کے تصورات کو علمی اور عقلی اعتبار سے مرتب اور منظم کرنے اور ان کی صحت اور معقولیت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ تمام ایسے علمی حقائق کو انکی عقلی اور علمی بنیادوں کے ساتھ کام میں لایا جائے جو آج تک دریافت ہو چکے ہیں اور اقبال کے تصورات کی تائید کرتے ہیں خواہ ان کو دریافت کرنے والا فلسفہ یا سائنسدان کوئی ہو اور دنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھتا ہو۔

سوئم۔ ان تمام حکیمانہ تصورات اور نظریات کو علمی اور عقلی اعتبار سے غلط ثابت کیا جائے گا جو اقبال کے فکر اور اس کے تصورات سے ٹکراتے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت صحیح نہیں ہیں اور معقول استدلال کی روشنی میں ان کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے کے بغیر اقبال کے اپنے حکیمانہ تصورات کی صحت اور معقولیت کی پوری پوری وضاحت نہ ہو سکے گی اور لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے گا کہ آیا کسی خاص فلسفیانہ مسئلہ کے متعلق صحیح نقطہ نظر اقبال کا ہے یا اُن نظریات کا جو اس کے فکر کے بالمقابل ہیں اور اگر صحیح نقطہ نظر اقبال ہی کا ہے تو اس کی علمی اور عقلی وجوہات کیا ہیں۔

چہارم۔ کتاب انگریزی زبان میں ہو گی تاکہ دنیا کے علمی حلقوں میں اقبال کے فلسفہ کو پڑھا اور پرکھا جا سکے دوسرے فلسفوں کے بالمقابل اس کے علمی مقام کو معین کیا جا سکے اور اس کی معقولیت اور عظمت کو تسلیم کیا جا سکے۔

ان راہ نما اصولوں کی روشنی میں اقبال کے نظام حکمت کی تدوین کے لئے جو کتاب لکھنے کی توفیق مجھے خدا نے عطا کی ہے اس کا نام آئیڈیالوجی آف دی فیوچر (IDIOLOGY OF THE FUTURE) ہے۔ یہ کتاب جون ۱۹۷۲ء میں مکمل ہوئی تھی اور اگست ۱۹۷۳ء میں طبع ہوئی تھی اس کتاب کی اشاعت کے قریباً بیس سال بعد میں نے ان ہی راہ نما اصولوں کی روشنی میں فلسفہ تعلیم پر اس کتاب کے ایک باب کی مزید تشریح اور توسیع کر کے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام تعلیم کے ابتدائی اصول (FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION) ہے۔ دراصل میری ساری تحریریں "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" (یعنی اقبال کے فلسفہ خودی) کے تصورات اور موضوعات کی مزید تشریح اور توسیع کے طور پر ہی لکھی گئی ہیں۔

چونکہ اقبال نے اپنے فلسفہ خودی کے ذریعے سے اسلام ہی کی فلسفیانہ تشریح کی ہے اور فلسفہ خودی اسلام ہی کا فلسفہ ہے۔ لہٰذا اگر میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" اقبال کا نظام حکمت ہے تو پھر وہ معاً اسلام کا نظام حکمت بھی ہے لیکن چونکہ یہ کتاب بظاہر مطلق فلسفہ کی کتاب ہے جس میں نہ تو اقبال کا کوئی حوالہ ہے اور نہ قرآن اور حدیث کا۔ اس لئے اس کے پڑھنے والے اسے بالعموم فلسفہ اقبال یا فلسفہ اسلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ مطلق فلسفہ کی حیثیت سے پڑھتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی ایک طرف اقبال کے چاہنے والوں کی یہ شکایت باقی رہی کہ اقبال پر لکھنے والوں میں سے کسی نے اقبال کے فلسفہ خودی کو ایک عقلی نظام کے طور پر پیش نہیں کیا۔ یا اس کی مکمل تشریح نہیں کی اور دوسری طرف اسلام سے دلچسپی رکھنے والے بھی بدستور یہ کہتے رہے کہ اس دور میں اسلام سے برگشتہ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے تعلیمات اسلام کی علمی اور عقلی بنیادیں واضح کرنے اور اسلام کو ایک نظام حکمت کے طور پر پیش کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس صورت حال کی بنا پر میں نے سمجھا کہ ہماری قوم کے ذوق کے پیش نظر اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے فلسفہ خودی پر دو اور کتابیں لکھی جائیں جن میں سے ایک تو ایسی ہو کہ اس میں فلسفہ خودی کو قرآن اور حدیث کے حوالوں کے ساتھ اسلام کے ایک فلسفہ کے طور پر پیش کیا جائے اور دوسری ایسی ہو کہ اس میں فلسفہ خودی کو اقبال کے حوالوں کے ساتھ اقبال کے فلسفہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دونوں کتابیں لکھنے کی توفیق دی۔ پہلی کتاب جس کا عنوان "قرآن اور علم جدید" ہے۔ میں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے لئے ۱۹۵۱ء میں لکھی تھی اور دوسری کتاب 'حکمت اقبال' کے نام سے اب پیش کر رہا ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ جس حد تک مجھے خدا کی توفیق حاصل ہوئی ہے میں نے یہ تینوں کتابیں اس طرح لکھی ہیں کہ مجھے امید ہے کہ جو احباب اقبال کے فلسفہ خودی کا یا اسلام کا مطالعہ ایک خالص اور منظم فلسفہ یا سائنس کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" کا مطالعہ مفید طلب پائیں گے (اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ہیں) اور جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اسلام کے ایک فلسفے کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ میری کتاب "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ دلچسپی کا باعث پائیں گے اور پھر جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اقبال کے حوالوں

(باقی ہے صفحہ ۸ پر)

مولانا محمد تقی امینی

ایک غلط بات کی اصلاح

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا الخ

بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ مچھر کی یا اس سے زیادہ حقیر چیز کی مثال دے جو ماننے والے ہوتے ہیں وہ اس کو اپنے رب کی طرف سے حق جانتے ہیں اور جو ماننے والے نہیں ہوتے ہیں وہ احقارت کے انداز میں کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے[۱]۔ اللہ اس کے ذریعہ بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے[۲] اور گمراہ انہیں لوگوں کو کرتا ہے جو اللہ کی وفاداری سے باہر، فاسق ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد پیمان وفا، کو پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اس کو کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ خسارہ والے ہیں۔

[۱] اوپر رسالتؐ کے ثبوت میں قرآن کو بطور دلیل پیش کیا گیا تھا اب ایک ایسی غلط بات کی اصلاح کی جا رہی ہے جو عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اور جس کا اثر صرف قرآن ہی پر نہ پڑتا تھا بلکہ اللہ کی کوئی کتاب اس سے محفوظ نہ تھی غلط بات یہ کہ کسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے یا کسی بات کو سمجھانے کے لئے مثالیں دینا یا مثالوں میں حقیر و کمتر چیزوں (مکھی، مچھر، مکڑی کے جالوں وغیرہ) کا ذکر کرنا اللہ کی شان سے بعید اور اس کی عظمت و بڑائی کے خلاف ہے اس بنا پر جس کتاب میں یہ مثالیں ہوں گی وہ اللہ کی کتاب نہیں ہو سکتی ہے۔

آیت میں غلط بات کی اصلاح اس طرح کی گئی ہے کہ کسی حقیقت کو ظاہر کرنے یا کسی بات کو سمجھانے کے لئے مثالوں سے کام لینا نہ اللہ کی شان سے بعید ہے نہ اس کی عظمت و بڑائی کے خلاف ہے، اور نہ اس سے شرمانے کی کوئی بات ہے۔ مثالوں میں

دیکھنا صرف یہ ہوتا ہے کہ جس حقیقت کو ان کے ذریعے سمجھایا گیا ہے ان سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے یا نہیں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس نے یہ مثالیں دی ہیں اور کس چیز کی دی گئی ہیں ؟

قرآن میں بتوں کی بے کسی اور بے بسی ظاہر کرنے کے لئے مکھی، مچھر اور مکڑی کے جالوں کی مثالیں دی گئی ہیں کہ جب یہ ان کی طرح اتنے بے بس و بے کس ہیں تو کسی کو فائدہ و نقصان پہنچانے کا اختیار کیوں کر رکھتے ہیں کہ جس کی بنا پر ان کی پوجا کی جائے یا ان سے نیاز مندانہ تعلق رکھا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے اس سے عمدہ مثال اور نہیں ہو سکتی ہے۔

مثالوں کے ذریعہ حقیقتوں کو سمجھانا ایسی فطری بات ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی ہدایتوں اور کتابوں میں ہمیشہ یہ طریقہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ کوئی کتاب اور کوئی پیغمبرانہ ہدایت اس طریقہ سے خالی نہیں ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا زمانہ سب سے زیادہ قریب ہے۔ ان کے یہاں بھی بکثرت مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ یہودیوں کی ایک بڑی خرابی کو مچھر کے چھاننے اور اونٹ کو نگل جانے کی مثال سے سمجھایا اور فرمایا کہ "تم مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو"۔ یہودیوں میں بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے زندگی کے اہم اصول اور انسانیت کی بڑی بڑی باتوں سے بے توجہی اختیار کر رکھی تھی اور چھوٹی چھوٹی فروعی باتوں میں الجھے رہتے تھے۔ اس صورتِ حال کو حضرت مسیح علیہ السلام نے مذکورہ مثال سے سمجھایا اور یہ واقعہ ہے کہ صورتِ حال کی جتنی وضاحت مثال کے ذریعہ ہوئی اس کے بغیر نہ ہو سکتی تھی۔ یہ بڑی خرابی یہودیوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر اس قوم اور جماعت میں دیکھی جا سکتی ہے جو گراوٹ و زوال کے دور سے گذر رہی ہو۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ مثال بھی ان قوموں اور جماعتوں پر اسی طرح صادق آتی رہے گی جس طرح یہودیوں پر آئی تھی۔

۲۔ قرآن ایسی مثالوں کے ذریعہ ایک اور فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ کہ ان کے ذریعہ حق بات قبول کرنے کی صلاحیت (روحانی کیفیت یا قلب کی روشنی) کو جانچتا اور پرکھتا ہے، جن میں یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے وہ ان مثالوں کو اپنے رب کی طرف سے

حق سمجھتے ہیں اور جن میں یہ صلاحیت ختم ہو جاتی ہے وہ ان کا مذاق اڑاتے اور ان کو حق سے انکار کے لئے بہانہ بناتے ہیں اس طرح یہ مثالیں ہدایت و گمراہی کی صلاحیت جانچنے کے لئے گویا BAROMETER کا کام دیتی ہیں جس طرح ہوا کے دباؤ کے ناپنے کا آلہ (BAROMETER) ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ مثالیں اندرونی کیفیت کے ناپنے و جانچنے اور پرکھنے کا آلہ ہیں۔ اسی بنا پر فرمایا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝	اللہ اس کے ذریعہ بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ گمراہ انہیں لوگوں کو کرتا ہے جو فاسق ہیں۔

۳۔ فاسق یہاں ہلکے پھلکے مفہوم میں نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ نہایت گہرے مفہوم میں اس کا استعمال ہوا ہے جیسا کہ آگے اس کے تعارف سے ظاہر ہوتا ہے۔ فاسق کے تعارف میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ اس پیمانِ وفا سے باہر آ جانا جو اللہ اور بندے کے درمیان پیدائشی طور سے ہوتا ہے اور جس کی پختگی نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ برابر کرائی جاتی رہی ہے۔

۲۔ اس رشتۂ انسانیت کو توڑ دینا ہے جس پر انفرادی و اجتماعی فلاح و بہبود کا مدار ہے اور جس کے بغیر شخصی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات برقرار نہیں رہتے ہیں۔

۳۔ پھر ان دونوں کا لازمی نتیجہ آپس میں فساد ہے۔ جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔

قرآن میں فاسق کا استعمال انسان کی صفت کی حیثیت سے اگرچہ نیا ہے عربی زبان میں اس سے پہلے ثبوت نہیں ملتا ہے لیکن استعمال ہر چھوٹی بڑی نافرمانی اور کفر و بغاوت تک میں ہوا ہے۔ اس بنا پر یہاں اس کا خاص مفہوم آگے کے تعارف کی روشنی میں یہ ہے کہ "فاسق اللہ اور انسانیت کا وہ نافرمان ہے جس کی اندرونی روشنی بجھ چکی ہے اور حق بات قبول کرنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے۔ جس کی بنا پر خسارہ اس کا مقدر بن چکا ہے۔"

آخرت کا ثبوت

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا پھر موت دے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس واپس جاؤ گے [۱] اللہ وہ ہے جس نے تم سب کے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کی [۲] پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں سات آسمان بنایا اور وہ ہر چیز جانتا ہے۔ [۳]

[۱] یہ خطاب بھی تمام انسانوں کے لئے ہے کسی خاص گروہ و زمانہ کے لئے نہیں ہے پہلے اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ آخرت سے انکار گویا اللہ کا انکار ہے اس وجہ سے کہ آخرت کو مانے بغیر اللہ کو ماننے کی بات بے معنی رہتی ہے پھر خاص انداز میں آخرت کی زندگی کو سمجھایا اور فرمایا کہ تم پہلے بے جان تھے تمہیں زندگی ملی پھر موت آئیگی اس کے بعد اللہ ہی کی طرف واپسی ہوگی۔

یہ واپسی گویا اسی طرح ہوگی جس طرح کی واپسی اس "پردیسی" کی ہوتی ہے جو کمانے کے لئے باہر جاتا ہے اور پھر اپنے گھر واپس آتا ہے۔ آیت میں آخرت کی زندگی کے لئے رجوع (لوٹنا) واپس ہونا، کا لفظ لایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زندگی پہلے اللہ کے پاس تھی درمیان میں نیکی و بھلائی کمانے کے لئے دنیا میں بھیجی گئی پھر اللہ ہی کے پاس واپس جائیگی لیکن اللہ کے پاس لوٹنے یا واپس ہونے سے پہلے موت ضروری ہے جس طرح ہر شئی کا تخم (بیج) مٹی میں ملنے کے بعد سرسبز و شاداب بن کر نکلتا ہے اسی طرح زندگی کا تخم (بیج) بھی مٹی میں ملنے کے بعد آخرت کی زندگی کی شکل اختیار کرتا ہے۔

پھر دلیل یہ بیان فرمائی کہ جس زندگی کے لئے زمین و آسمان کا نظام قائم کیا گیا اور جس کو پروان چڑھانے کے لئے ساری چیزیں پیدا کی گئیں اگر وہ زندگی اسی دنیا پر ختم ہو جاتی اور آگے نہ بڑھتی تو یہ سارا نظم و انتظام کھلنڈرے کا کھیل بن کر رہ جاتا اور چند دن زندگی گذار لینے کے علاوہ کوئی پائیدار مقصد اس سے نہ حاصل ہوتا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا کہ زندگی ہر قید و بند سے آزاد ہو کر اسی سطح پر آجاتی جو جانوروں کی سطح ہے حالانکہ

انسان انسان ہے جس کو اپنی عزت و شرافت برقرار رکھنے کے لئے پابندی ضروری ہے اور جانور جانور ہے جس کو اپنی زندگی گذارنے کے لئے انسان جیسی پابندی نقصاندہ ہے۔

زمین و آسمان کا انتظام اور اس کی ساری چیزیں اس لئے ہیں کہ انسان اللہ کا فرمانبردار رہ کر اپنی عزت و شرافت کے ساتھ زندگی گذارنے اور چیزوں کو استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ ان کو مفید و کارآمد ثابت کر دکھائے اگر بات اسی زندگی پر ختم ہوگئی آگے نہ بڑھی تو انسان نہ اپنی عزت و شرافت برقرار رکھنے میں کوئی ذمہ داری محسوس کریگا نہ دنیا کی بے شمار محرومیوں اور ناکامیوں کا صلہ پائے گا اور نہ چیزوں کو مفید و کارآمد ثابت کر دکھانے میں کوئی اعلیٰ مقصد (اللہ کی رضاء و خوشنودی اور آخرت میں کامیابی) سامنے رہے گا۔

رہی یہ بات کہ دوسری زندگی کہاں ہوگی؟ اس دنیا میں ہوگی یا اور کہیں ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں جسقدر ناگواریاں پیش آتی ہیں اور رنج و تکلیف کا تجربہ ہوتا ہے ان کے پیش نظر ہر شخص کا جی یہی چاہتا ہے کہ اب دوسری زندگی یہاں نہ ہو یا کم سے کم اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے نہ ہو پھر کہاں ہو؟ ایسی جگہ ہو جہاں ہمارا محبوب دل کا پیارا (اللہ) اپنی تمامتر جلوہ آرائیوں کے ساتھ نمودار ہو۔ آمنے سامنے گفتگو کے مواقع ہوں۔ وعدے وعید پورے ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھیں پھر انتہائی شکرگذاری کے عالم میں یہ کہتے ہوئے اس کے سامنے عجز و نیاز مندی کا سر رکھدیں۔

تیرے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھدی نگاہ بے زبان رکھدی

؎ یعنی اللہ نے جتنی چیزیں پیدا فرمائیں وہ سب کے لئے ہیں ہر شخص ان کو لینے اور حاصل کرنے کا حقدار ہے اللہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے رکاوٹ جو کچھ ہے وہ اپنی طرف سے ہے کہ لینے اور حاصل کرنے کے لئے جیسی محنت تدبیر اور جد و جہد درکار ہے وہ نہ ہو سکی یا رکاوٹ دوسروں کی طرف سے ہے کہ یہ لوگ وہ اسباب و ذرائع نہ مہیا کر سکے کہ جن سے دوسروں کو لینے اور حاصل کرنے میں سہولت ہوتی۔

؎ سما کے معنی بلندی اور وسعت کے ہیں۔ زمین سے اوپر آسمان کے نام سے جو

کچھ ہے اس کے بارے میں ابتک جتنا معلوم کیا گیا ہے وہ اس کے مقابلے میں بہت کم ہے جو معلوم نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس کا اقرار ماہرینِ فن کو اچھی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ ماہرینِ فن جس قدر علم و تحقیق میں آگے بڑھتے جاتے ہیں ان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اللہ کی غیر محدود قدرت اور جو کچھ آسمان کے نام سے ہے اس کی بے پایاں وسعت و بلندی معلوم کرنے میں اپنی بے بسی کے اقرار پر انہیں مجبور ہونا پڑتا ہے - ایسی حالت میں جو کچھ معلوم ہے اس کو بنیاد بنا کر سات آسمان کی تفسیر کرنا اٹکل میں تیر چلانا ہے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ سات آسمان کا مطلب اللہ کے علم کے حوالہ کیا جائے اور اس سے اللہ کی غیر محدود قدرت اور آسمان کی بے پایاں وسعت و بلندی کا یقین کیا جائے جیسا کہ خود آگے موجود ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے) اس سے بجائے خود انسان کی نارسائی کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کا پورا علم انسان کو نہیں اللہ کو ہے پھر دوسری جگہ طبقات کا ذکر ہے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ملک ۳ - نوح - ۱۵ - (سات آسمان اوپر نیچے) ممکن ہے زمین سے اوپر جسقدر عالم ہیں اور وہ بہت ہیں ان کو سات طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہو اور بلندی و وسعت کے لحاظ سے ہر طبقہ کے آسمان علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوں، یہ بھی ایک اندازہ ہے حقیقتِ حال کا علم اللہ ہی کو ہے -

علم و تحقیق کی جدید دُنیا نے زمین سے اوپر آسمان کے متعلق جسقدر معلومات فراہم کی ہیں ان میں کوئی بھی قرآن کے خلاف نہیں ہے البتہ اس کا کچھ حصہ قدیم علم و تحقیق کے بیشک خلاف ہے جس کو لوگوں نے قرآن کے خلاف سمجھ رکھا ہے -

(جاری ہے)

قرآن ——— معیارِ حق و باطل اور
سنت ——— صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ ہے

درسِ قرآن

(۴)

سورۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

از :- ڈاکٹر اسرار احمد

(گذشتہ سے پیوستہ)

ترتیب وتسوید : جمیل الرحمٰن / عاکف سعید

دوسری آیت اب آیئے دوسری آیت کی طرف — فرمایا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

"اور وہ لوگ جو ایمان لائے (اللہ کی توحید پر، جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر، بعث بعد الموت پر، یوم آخرت پر) اور جنہوں نے نیک کام اچھے اور بھلے عمل کئے، اور اس چیز پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوئی ہے (یعنی وحی الٰہی، کلام اللہ، قرآن مجید) اور وہ سراسر حق ہے ان کے رب کی طرف سے — تو اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کو درست کر دیا۔"

آیت کی تشریح و توضیح پہلے تو قرآن مجید کے اس عام اسلوب کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کا میں بارہا تذکرہ کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں فوری تقابل (SIMULTANEOUS CONTRAST) کے اسلوب کو بڑی کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ جہاں اہل ایمان کا ذکر آئے گا وہاں عموماً فوراً بعد کفار کا ذکر بھی ہوگا۔ جہاں اہل جنت کا بیان ہوگا وہاں جہنمیوں کا ذکر بھی آجائے گا۔ جہاں کفار کے انجام بد کا ذکر ہوگا وہاں اہل ایمان کے اکرام، اعزاز اور انعام کا بیان بھی ہوگا۔ تقدیم و تاخیر تو ملے گی لیکن اکثر و بیشتر آپ کو قرآن مجید میں یہی اسلوب ملے گا۔ چنانچہ یہاں بھی

دیکھئے کہ جب کفار کی بات ہوئی تو ساتھ اہل ایمان کا بھی ذکر ہوگیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی عنایات کا کیا معاملہ ہے! اس آیت میں "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں ـــــ نوٹ کیجئے کہ 'عمل' کا لفظ دونوں آیتوں میں مشترک ہے وہاں کفار کے لئے بھی یہ لفظ آیا تھا "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" ۔ اور یہاں آیا 'عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' ـــ میں اپنے کتابچہ "راہِ نجات ۔ سورۃ العصر کی روشنی میں" واضح کر چکا ہوں اور اکثر اس کی وضاحت کرتا رہا ہوں کہ لفظ 'فعل' اور لفظ 'عمل' دونوں کا ترجمہ ہم کام کر دیتے ہیں۔ جب کہ عربی میں ان کے معانی میں بڑا فرق ہے۔ فعل ہر نوع کے کام کو کہتے ہیں۔ لیکن عمل اس کام کو کہتے ہیں جس میں محنت صرف ہو۔ یعنی مشقت طلب اور تھکا دینے والا کام۔ اسی لئے سورۃ الغاشیہ میں یوم آخرت میں نافرمانوں اور کافروں کی کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ "سخت مشقت کرنے والے، بے حد تھکے ہوئے"۔ تو سورۂ محمدؐ کی ان دونوں آیتوں میں لفظ عمل کے اشتراک سے معلوم ہوا کہ کفار کا بھی 'عمل' تھا۔ وہ بھی اپنے مقصد کے لئے بڑی محنتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی دعوتِ توحید کا راستہ روکنے کے لئے اپنی توانائیاں لگا رہے تھے۔ ان کے لئے تو فرما دیا: 'اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ' "ان کی محنت اکارت کر دی گئی"۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہاں اہلِ ایمان کے لئے جو "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے الفاظ آئے تو ان سے کون سے نیک کام مراد ہیں؟ کیا نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج! یقیناً اعمال صالح سے مراد نماز بھی ہے لیکن پنج وقتہ نماز تو فرض ہوئی تھی ہجرت سے قریباً ڈھائی سال قبل۔ یقیناً ان میں زکوٰۃ بھی شامل ہے لیکن ابھی اس کا پورا نظام نہیں آیا، اس کے مقادیر، اس کا نصاب ابھی معین ہی نہیں ہوا۔ فرض روزوں کا حکم ابھی تازہ تازہ آیا ہے اور اس سورہ مبارکہ کے نزول سے پہلے رمضان کا مہینہ آیا بھی نہیں۔ حج کی ادائیگی کا اس وقت کیا سوال! وہ مقامات جن سے حج کے مراسم و مناسک متعلق ہیں، وہ سارے تو مشرکین کے قبضہ میں ہیں۔ ابھی تو شراب اور قمار کی حرمت بھی نہیں آئی۔ سود کا لین دین بھی اس وقت تک حرام قرار نہیں دیا گیا۔ یہ تمام حرمتیں تو بتدریج بعد میں عائد ہوئی ہیں۔

یہاں لازماً ذہنوں میں یہ سوالیہ نشان ابھرنا چاہیے کہ اس آیت میں 'اعمالِ صالح' سے کون سے اعمال مراد ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دِینُ اللہ، دینِ توحید کے لئے جو

محنتیں انہوں نے کیں۔ دین کے لئے جو قربانیاں انہوں نے پیش کیں۔ دین کے لئے جو مصائب، شدائد، مظالم انہوں نے اٹھائے اور جس طرح سے صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا، دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے، اس کی نشر و اشاعت کے لئے انہوں نے اپنی جو صلاحیتیں، اپنی ذہانتیں اور اپنی توانائیاں صرف کیں۔ خالصتہً دین کے لئے انہوں نے اپنے روشن مستقبل (BRIGHT CAREERS) کو جس طرح قربان کیا اور محض دین کی خاطر اپنے مشرک والدین اور اعزہ و اقارب سے قطع تعلق کیا — دراصل یہاں 'عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' سے یہ تمام اعمال مراد ہیں۔ مکہ میں ہجرت سے قبل ایمان لانے والے تمام مہاجرین اور اس سورت کے نزول تک ایمان لانے والے تمام انصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس آیت کا مصداق ہیں۔ یہ تو ہوئی اس آیت کی تاویل خاص۔ تاویل عام کے اعتبار سے اعمال صالح میں یہ تمام اعمال بھی اور ان کے ساتھ ساتھ دین کے تمام اوامر و نواہی بھی لازمی اجزاء کی حیثیت سے شامل ہیں اور قیامت تک شامل رہیں گے۔ اسی بات کو سورۃ العصر میں نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ نجات اُخروی اور فلاح و صلاح دینوی کے خسران سے بچنے کے چار لوازم، چار شرائط ناگزیر ہیں:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

"زمانہ کی قسم ہے کہ یقیناً تمام انسان بڑے خسارے سے دوچار ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جو نیک عمل کرتے رہے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت و تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت و تاکید کی۔"

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ چونکہ دین کی اصل تعلیمات اور اس کے انقلابی پیغام اور دعوت سے بُعد اور چار پانچ صدیوں پر محیط بتدریج زوال و انحطاط کے خاص پس منظر میں ہمارا یہ ذہن بن چکا ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ کہ قرآن مجید میں جب بھی عملِ صالح کا ذکر آتا ہے تو اس سے ہم مراد لیتے ہیں نماز، زکوٰۃ، روزہ حج — اس سے آگے بڑھیں گے، نیکی کا جذبہ مزید زور مارے گا تو نفلی عبادات کی ادائیگی مثلاً عمرہ، نفل نمازیں، تہجد کا اضافہ ہو جائے گا۔ وضع قطع میں سنّت کا کچھ اہتمام ہونے لگے گا۔ خدمت خلق میں بھی کچھ حصّہ لے لیا جائے گا یا ایسے اداروں سے مالی تعاون کر لیا جائے گا۔

دینی مدارس کی سرپرستی ہو جائے گا، مساجد کی تعمیر میں دلچسپی بڑھ جائے گی۔ اس سے آگے ہم لوگوں کا، الا ماشاء اللہ، تصور پہنچتا ہی نہیں ہے۔

میں اس لئے اتنی تفصیل میں جا رہا ہوں کہ غور کیجئے کہ مکی سورتوں میں جب اعمال صالحہ کا ذکر آتا ہے تو وہ کس سیاق و سباق (Context) میں آتا ہے۔ اس سے حقیقی مراد کیا ہوتی ہے! وہاں تو ابھی پنج وقتہ نماز اور زکوٰۃ کا کوئی نظام ہی نہیں تھا۔ حلال و حرام کے ابھی احکام آئے ہی نہیں تھے۔ ابھی تو سود بھی کھایا جا رہا تھا اور شراب بھی پی جا رہی تھی۔ لہٰذا اس دور میں 'عمل صالح' کیا تھا! وہ 'اعمال صالحہ' تھے۔

"وہ جد و جہد، وہ محنت، وہ مشقت، وہ ایثار، وہ قربانی، وہ مصائب اور ظلم و ستم کا جھیلنا۔ وہ تشدد کا برداشت کرنا۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہنا۔ اور کھڑے ہو کر ڈنکے کی چوٹ اعلان کرنا کہ ہاں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور ایک اللہ واحد کو ماننے والے ہیں۔ ہم مشرکانہ و استحصالی نظام کے باغی ہیں اور دین توحید کی اقامت کی جد و جہد میں اپنے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے اور اس راستہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنے لئے سب سے بڑی کامیابی و کامرانی ہونے پر یقین رکھتے ہیں ہمارا ایمان و ایقان ہے کہ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ط"

یہ ہے سیاق و سباق آیت کے اس ٹکڑے کا کہ: "وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ"

قرآن مجید پر ایمان کا خصوصی ذکر اب آگے چلئے فرمایا: وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر جو نازل کیا گیا ہے محمد پر (صلی اللہ علیہ وسلم) ـــــ یہ بات ذرا تشریح طلب ہے چونکہ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا میں یہ چیز موجود ہے۔ ایمان کا کوئی مفہوم ہی نہیں جب تک اس میں ایمان بالقرآن، جو آپؐ پر بتدریج نازل ہو رہا ہے، شامل نہ ہو۔ اس کا علیحدہ ذکر کیوں کیا گیا۔ اس کا دراصل ایک تاریخی پس منظر ہے، جسے میں سورۂ بقرہ کے ابتدائی رکوعوں کے مطالعہ کے مواقع پر تفصیل سے بیان کیا کرتا ہوں ـــــ اس موقع پر اس پس منظر کا اختصار سے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو فوری طور پر آپؐ کی دعوت کا سابقہ اور واسطہ علماء یہود سے پیش آیا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ آپؐ توحید کی دعوت دیتے ہیں

ہم اللہ کو توحید کے ساتھ پہلے ہی سے مانتے ہیں۔ آپؐ آخرت اور بعث بعد الموت کی بات کرتے ہیں ہم ان امور کو بھی پہلے سے تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ رسولوں کا ذکر کرتے ہیں، حضرت نوحؑ کا حضرت ابراہیمؑ کا حضرت موسیٰؑ کا، تو ہم بھی ان کو مانتے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی مسلم ہیں۔ اور آپؐ ہمیں بھی مومن تسلیم کریں۔ چاہے ہم آپؐ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور نہ قرآن کو منزّل مِنَ اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ آپؐ ہی کو تو نہیں مانا باقی تو سینکڑوں رسولوں کو مان رہے ہیں — چنانچہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہمیں بھی مسلم اور مومن تسلیم کرو اور ہم چونکہ پہلے سے مسلمان ہیں لہٰذا اس پہلو سے ہمیں تم پر ایک نوع کی برتری حاصل ہے۔

یہود کی ذہنیت کے اثرات: درحقیقت یہودیوں کی یہی ذہنیت اور ان کے اسی پروپیگنڈے کا شاخسانہ تھا جس کے باعث منافقین کا ایک طبقہ پیدا ہوا۔ اس میں رفتہ رفتہ اصل میں یہی ذہنیت نشوونما پاتی چلی گئی اور اس کا ظہور منافقین میں اس شکل میں ہوا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بربات مانیں۔ یہ بھی تو ہماری طرح کے انسان ہیں۔ اسی گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ ٹھیک ہے ہم نے توحید کو مان لیا ہے، آخرت کو مان لیا ہے۔ چلیے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بھی مان لیتے ہیں۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر معاملہ میں شخصی اطاعت کیوں کریں! یہ چیز ان پر بڑی گراں گزرتی تھی۔

ایک لائق توجہ بات: اس ضمن میں، میں ایک بات اور بھی عرض کیا کرتا ہوں۔ اس پر ذرا غور کیجئے گا اور اسے اس کے صحیح پس منظر میں سمجھئے گا۔ کہیں یہ گمان نہ کر بیٹھئے گا کہ میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ کوئی توہین کر رہا ہوں۔ دیکھئے ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ کیا ہے! یہ کہ ہمارے سامنے گوشت پوست سے بنے ہوئے محمد ابن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک موجود نہیں ہے۔ ہمارے لئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک INSTITUTION یعنی ایک ادارہ کی ہے، ایک شخص کی نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں کا امتحان بہت سخت تھا جن کے سامنے حضورؐ بنفسِ نفیس، بجسدِ شریف موجود تھے۔ یہ وہ صورتِ حال تھی، جس میں گویا ایک انسان دوسرے انسان کا حکم ماننے پر مجبور ہے۔ بظاہر تو آپؐ انسان ہیں سب کو نظر آ رہا ہے کہ حضورؐ انسان ہی ہیں — پھر قوم بھی وہ جو بڑی خودسر اور جھگڑالو تھی۔ لوگ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل اور آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اسی کا نقشہ عالی مرحوم کے اس شعر میں نظر آتا ہے۔

؎ کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا

اس تناظر میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر معاملہ میں شخصی اطاعت بڑی شاق کیوں گزرتی تھی۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بات ہمیں بھی بہت شاق گزرتی ہے۔ ہم میں سے کتنے ہیں جو آسانی سے کسی کے ہاتھ پہ دین کے لئے سمع و طاعت کی بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ شخصاً بات ماننی پڑ جائے گی۔ مجھے اپنی رائے پیچھے ڈالنی ہوگی اور جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کی رائے کو فوقیت دینا ہوگی حالانکہ آج وہ بیعت نہیں ہے کہ جو حکم بھی دیا جائے وہ آپ مانیں بلکہ اس کے لئے اب فی المعروف کی شرط لازم ہے۔ یعنی اطاعت صرف اس حکم کی ہوگی جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے کسی صریح حکم کے خلاف نہ ہو۔ اب جو معاملات خلاف نہیں ہیں، ان میں دو رائے ہوسکتی ہیں۔ ایک آپ کی اور ایک امیر کی۔ آپ امیر کے مقابلہ میں اپنی رائے سے کیوں دست کش ہوں! ۔ یہ بات کوئی انسان آسانی سے گوارا نہیں کرتا۔ یہی تو عبداللہ ابن ابی ؔ کی بات تھی جس کی وجہ سے وہ غزوہ احد کے موقع پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر راستہ ہی سے واپس چلا گیا۔ اس نے کہا کہ ہم نے جو مشورہ دیا تھا اس پر کیوں عمل نہیں کیا جا رہا۔ ہمارا مشورہ صائب ہے درست ہے۔ جب ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۔ "ہمارے ہاتھ میں بھی کوئی اختیار ہے کہ نہیں"! اس کا یہ قول سورۃ آل عمران میں نقل ہوا ہے۔ یہ بات واقعتہ بڑی کٹھن ہوتی ہے کہ شخصی طور پر کسی کی اطاعت کی جائے۔ طبیعت اس پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی۔ نفس اس سے بغاوت کرتا ہے ــــــ!

حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی عظمت: اسی اعتبار سے میں کہا کرتا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت ہمارے سامنے آتی ہے۔ میرے لئے اسے بیان کرنا مشکل ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی شخصیت کی نفی کر دی تھی! ایمان لانے کے بعد ان رضؓ کی پوری زندگی میں ان کی ذاتی شخصیت کی ہمیں کامل نفی (COMPLETE NEGATION) نظر آتی ہے۔ ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ حضرت ابوبکر رضؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے مقابلہ میں اپنی کوئی رائے کبھی پیش بھی کی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں رضؓ نے اپنے تشخص کو

اس طرح حضورؐ کی ذات میں گم کر دیا ہے کہ ان کی شخصیت معدوم کے درجہ میں نظر آتی ہے۔ فنا فی الرّسول کہنا آسان ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ فنا فی الرّسول کا لفظ اگر کسی ذات پر بتمام و کمال صادق اور راست آتا ہے تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ہے اور یہی درحقیقت ان کی عظمت ہے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ کو تم سب پر جو فضیلت ہے، وہ نمازوں یا روزوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے۔ ——— نفلی نمازوں اور روزوں کا کئی گنا زیادہ اہتمام کرنے والے تو حضرت ابوبکرؓ کے مقابلہ میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بڑھ کر نفلی روزے اور قیام اللیل کی پابندی کرنے والا کون ہوگا جو کسی روز بھی ناغہ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ حضورؐ نے انہیں حکماً روکا ہے تب بھی انہوں نے یہ بات منوالی کہ حضورؐ میں ایک دن روزہ رکھوں گا اور ایک دن ناغہ کروں گا۔ حضورؐ نے ان کو حکماً پوری پوری رات نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔ صرف تہجّد اور زیادہ سے زیادہ ایک تہائی رات کی اجازت دی تھی۔ پھر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مَنْ کَانَ یَسُرُّہٗ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی زُھْدِ عِیْسٰی فَلْیَنْظُرْ اِلٰی صَاحِبِیْ اَبِیْ ذَرٍّ جس کسی کو حضرت عیسیٰؑ کا زہد چشم سر سے دیکھنا ہو تو وہ میرے دوست ابوذر کو دیکھ لے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تو ان حضرات سے آگے کون جائے گا! لیکن نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ابوبکرؓ کی فضیلت و عظمت نماز اور روزوں کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہے ——— ان کو جو فضیلت و عظمت حاصل ہے وہ اس ایمان کی بنا پر ہے جو ان کے دل میں ہے، دل میں یقین کی جو کیفیت ہے، جس درجے کی حُبِّ رسولؐ ہے حضورؐ کے قدموں میں اپنے آپ کو بالکلیہ بچھا دینے والی جو کیفیت ہے۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ کھپا دینے کی جو شان ہے پھر اس کی راہ میں جان کا نذرانہ پیش کرنے کا جو بے پناہ جذبہ، تمنّا اور آرزو ہے ——— یہ ہیں وہ چیزیں جنہوں نے آنجنابؓ کو افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق کے مقام پر فائز کیا ——— اس کے تقابل (CONTRAST) کے طور پر میں عبداللہ ابن ابیّ کی شخصیت پیش کر رہا ہوں۔ یہی چیز تھی سب سے مشکل۔ اس کے لئے اطاعت رسولؐ ہی سب سے کٹھن مرحلہ تھا کسی عظیم شخصیت کے سامنے اپنی ذات کی نفی کرنا یہی تو دشوار اور کٹھن کام ہے۔ یہی سب سے بڑا ایثار ہے۔ اسی میں فیل ہو گئے تھے علماءِ یہود۔ ورنہ وہ حضورؐ کو اور قرآن مجید کو اس طرح پہچانتے

تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے۔ "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (البقرہ) ــــ تو یہاں درحقیقت اس طرزِ عمل کی نفی کرنے کے لئے فرمایا گیا: وَاٰمِنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ اب کسی کا ایمان معتبر نہیں ہوگا جب تک وہ حضورؐ پر اور اس چیز پر یعنی قرآن مجید پر ایمان نہ لائے جو آپؐ پر نازل ہو رہا ہے۔

یہود و منافقین کے کردار پر قرآن کا تبصرہ: دیکھئے سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع اسی بات سے شروع ہوتا ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ "لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لائے۔ حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں"۔ اللہ کی گواہی ہے کہ وہ صرف اپنی زبانوں سے دو ایمانیات کا اقرار کرتے تھے۔ جہاں ان کی زبان رک جاتی تھی، وہ ایمان بالرسول ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کیلئے وہ تیار نہیں تھے۔ قرآن نے صاف کہہ دیا کہ ایسے لوگ مومن نہیں۔ یہاں قرآن مجید کا اسلوب ایسا جامع ہے کہ یہود کے علماء اور منافقین دونوں پر راست آتا ہے۔ منافقین کا پورا پردہ چاک کیا گیا۔ سورۃ المنافقون میں۔ جب وہ اس آخری حد تک پہنچ گئے جو لاعلاج تھی اور جہاں سے واپسی ممکن نہیں رہی تھی فرمایا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا	"(اے نبی!) جب یہ منافق آپؐ کے
نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ	پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ	دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں"۔
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	اور اللہ خوب جانتا ہے (اس سے زیادہ
لَكٰذِبُوْنَ ۝ (سورۃ المنفقون آیت ۱)	جاننے والا کون ہو سکتا ہے۔

چونکہ اسی نے تو آپؐ کو بحیثیت رسول مبعوث فرمایا ہے، کہ آپؐ اس کے رسول ہیں۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں یعنی ان کا قول تو سچا ہے۔ لیکن یہ محض ظاہری اقرار ہے۔ ان کا باطن آپ پر تصدیقِ قلبی والے ایمان سے بالکل خالی ہے۔ یہ جھوٹ موٹ کے مومن بنتے ہیں درحقیقت یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ منافقین کے گروہ کے وجود میں آنے کے دیگر بہت سے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ ہر معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا اور آپؐ کی اطاعت ان پر سخت گراں گزرتا تھا۔ پھر یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لئے ہر وقت آمادہ رہنا بھی

ان پر بہت شاق گزرتا تھا جس میں انہیں مال کے زیاں اور جان جانے کا خوف ہر وقت لاحق رہتا تھا۔ چونکہ اپنی جان و مال اور علائق دنیا ان کو اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کے لئے جان و مال کی قربانی دینے سے زیادہ محبوب و عزیز تھے۔ چنانچہ وہ ان قربانیوں سے جی چراتے تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ ایمان کا اقرار کرنے کے بعد بھی ان کے قریبی مجلسی اور قلبی تعلقات یہودیوں سے مستقل طور پر قائم تھے تو جیسے درخت کے نیچے جھاڑ جھنکار پیدا ہو جاتا ہے جسے ہم UNDER GROWTH کہتے ہیں ویسے ہی یہودی ذہنیت ان کے دلوں میں مسلسل سرایت کرتی چلی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جیسی دشمنی یہود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی ویسی ہی منافقین کو بھی ہو گئی تھی۔ بہر حال اس موقع پر منافقین کا ضمناً تذکرہ آ گیا۔

چنانچہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے بعد وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ فرمانے کی اصل غایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اب توحید اور بعث بعد الموت و آخرت نیز سابقہ انبیاء و رسل علیہم السلام کی تصدیق ہرگز کفایت نہیں کرے گی۔ جب تک جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس چیز پر پختہ ایمان نہ لایا جائے جو آپؐ پر نازل ہو رہی ہے۔ یعنی قرآن مجید! واللہ اعلم!

ایمان بالقرآن کو مزید مؤکد کرنے کے لئے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے فوراً بعد یہ الفاظ لائے گئے کہ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ـــ "اور جو چیز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے وہ ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے"۔ اس کلام کے منزل من اللہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی ابتدا میں وضاحت کر دی گئی تھی۔ جو پہلی مدنی سورت ہے۔

بشارت: ایمان بالقرآن کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اب ان اہل ایمان کو بشارت دی جا رہی ہے کہ (جو ایمان اور اعمال صالحہ کو حرز جاں بنا لیں کہ: كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ـــ "اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں"۔ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ "اور ان کے حالات کی اصلاح فرما دی"۔ ان کو درست کر دیا ـــ یہ گویا اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ کے مقابل کی بات فرمائی جا رہی ہے۔ یہاں بھی ماضی کے صیغہ ہی میں کلام فرمایا گیا ہے تاکہ حتمیت و قطعیت کا مفہوم سامنے آ جائے۔ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اسلام قبول کرنے اور ایمان لانے سے قبل دورِ جاہلیت میں ان سے

جو گناہ سرزد ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا، مٹا دیا، ساقط کر دیا۔ اب یوم آخرت ان اعمال پر باز پرس نہیں ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عقائد، نظریات، اعمال اور اخلاق کی جن گمراہیوں اور خرابیوں میں ایمان لانے سے قبل وہ مبتلا تھے، وہ بھی ان سے دور کر دیں اور ان کی اصلاح احوال فرما دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ تین چیزیں وہ ہیں جو سابقہ زندگی کے تمام گناہوں، برائیوں خرابیوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ ان میں سے ایک ہے کفر سے اسلام میں آنا، دوسرے نمبر پر ہے حج مبرور یعنی وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو جائے۔ اور تیسرے نمبر پر ہے اللہ کی راہ میں ہجرت۔ گھر بار چھوڑ کر اہل وعیال سے منہ موڑ کر خالصتہً اللہ کے لئے نکل جانا ___ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یہ وہ عظیم اعمال ہیں جن کے بعد سابقہ زندگی کے تمام گناہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ "اور درست کر دیئے ان کے حالات" ___ یہ "تقابل" کے لئے قرآن کا اسلوب ملاحظہ کیجئے۔ پہلی آیت ختم ہوئی تھی "اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ" کے الفاظ پر اور دوسری آیت کا اختتام ہوتا ہے "وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ" پر ___ عربی میں "بال" کا لفظ بہت جامع ہے اس سے ظاہری و باطنی حوال اور کیفیات بھی مراد ہوتی ہیں اور کمزوری، ضعف، احتیاج، بے بسی اور مظلومی کی حالت بھی، نیز مآل اور انجام بھی ___ تو فرمایا کہ اللہ نے ان کے ظاہری و باطنی اور مخفی احوال درست کر دیئے۔ ان کی ذہنی و قلبی کیفیات کی اصلاح فرما دی۔ یہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں عطا فرمایا۔ آخرت میں بھی اللہ کے فضل سے وہ سرخرو ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے احوال بھی ان کے لئے درست فرما دے گا۔

تیسری آیت | اب آیئے تیسری آیت کی طرف، فرمایا:

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○

آیت کا رواں ترجمہ ہوگا:

"یہ (اہل کفر اور اہل ایمان کے انجام میں فرق) اس لئے ہے کہ کفر کرنے والوں نے

باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔"

یہ آیت قدرے طویل ہے اور چند اہم اور اساسی مباحث پر مشتمل ہے لہٰذا اسے بھی ہم حصّوں میں سمجھتا ہوگا۔

دو مختلف انجاموں کا سبب: یہ دو مختلف انجام کیوں ہوئے۔ یہ عظیم ظاہری فرق و تفاوت کیونکر واقع ہوا! اس لئے کہ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکا لہٰذا ان کا انجام یہ ہے کہ ان کی تمام سعی رائیگاں گئیں۔ دوسرا گروہ ان کا ہے جو ایمان لائے بالخصوص اس چیز پر جو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی اور جنہوں نے نیک عمل کئے ـــ یہ وہ لوگ ہیں جن کا انجام اتنا اچھا ہے کہ ان کی تمام سابقہ خطائیں اور گناہ معاف اور آئندہ کے لئے اللہ کا وعدہ: اَصْلَحَ بَالَهُمْ۔

ـــ چنانچہ اس فرق و تفاوت کو یہاں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا کہ: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ۔ معلوم ہوا کہ جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی انہوں نے درحقیقت پیروی اختیار کی ہے باطل کی ـــ درآنحالیکہ باطل کا حقیقی وجود کوئی نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک سراب ہے جس میں نظر آتا ہے کہ پانی ہے۔ حالانکہ پانی نہیں ہوتا۔ کوئی اس کی طرف دوڑے تو نتیجہ یہ نکلے گا یہ بھاگ دوڑ قطعی بیکار ثابت ہوگی۔ سورۂ نور میں یہ تمثیل آئی ہے کہ اہل کفر کے اعمال کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی سراب۔ پیاسا اسے پانی سمجھتا ہے لیکن جب وہاں پہنچتا ہے تو پانی تو نہیں ملتا البتہ موت منتظر ہوتی ہے۔

اس کے برعکس معاملہ یہ ہے کہ: وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ "اور جو لوگ ایمان لائے انہوں نے دراصل اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے"۔ حق کہتے ہی اسے ہیں جو واقعتہً موجود ہو ـــ جو شے نظر آئے لیکن حقیقتاً موجود نہ ہو، وہ باطل ہے چنانچہ "حق" کے اصل معنی یہ ہیں کہ وہ شے جو حقیقی ہو۔ اس کا حقیقی وجود ہو۔ ایک ہوتی ہے خیالی شے۔ وہ شے جو آپ کے ذہن کے اندر ہے اس کا وجود کوئی نہیں تو خیالی وجود کے مقابلہ میں ہے واقعی وجود۔ اسی کو حق کہتے ہیں ـــ اسی لئے "الحق" اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور یہ اس کے اسمائے حسنیٰ میں شامل ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ۔ "یہ اس لئے کہ 'الحق' تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے"۔ حقیقی وجود

تو اسی کا ہے۔ باقی جو کچھ نظر آ رہا ہے ان کا کوئی حقیقی وجود نہیں ہے۔ یہ تو پرچھائیاں ہیں جو سراسر وقتی ہیں۔ ابھی آنکھوں کے سامنے ہیں اور دفعتہً معدوم ہو جائیں گی۔ ان کی مثال تو درختوں کے سایہ کی ہے جو روشنی کا محتاج ہے۔ روشنی گئی اور سایہ کا وجود بھی ختم ہوا۔ یہ تو آئینہ کا عکس ہے۔ آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں تو ادھر بھی آپ نظر آ رہے ہیں۔ حالانکہ آپ حقیقت میں اس میں موجود نہیں ہیں۔ اس صورت حال کی صحیح تصویر عربی کے اس شعر میں بیان ہوئی ہے:

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهْمٌ أَوْ خَيَالٌ
أَوْ عُكُوسٌ فِي الْمَرَايَا أَوْ ظِلَالٌ

یعنی جو کچھ اس کائنات میں نظر آ رہا ہے، وہ یا وہم ہے یا خیال ہے یا اس کی مثال اس آئینے کی سی ہے جس میں عکس نظر آتا ہے۔ یا پھر اس کی مثال سائے کی سی ہے۔ وجود حقیقی صرف اللہ کا ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ۔ اور۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (وہی اللہ ہے الاول، الآخر، الظاہر اور الباطن)

اب جو شے "الحق" تعالیٰ و سبحانہٗ کی طرف سے آئی ہے وہ بھی حق ہے۔ اَلْقُرْاٰنُ حَقٌّ۔ یہ قرآن حق ہے۔ تو جنہوں نے اس حق کی پیروی کی، آخر کار وہی بامراد ہوں گے۔ وہی اپنے منزل مراد کو پہنچیں گے۔ وہی ہیں جن کی مساعی نتیجہ خیز اور بار آور ہوں گی۔ وہی ہیں جو اپنے ہدف کو پائیں گے اور کامیاب و کامران ہوں گے۔ یہ مختصر تشریح و توضیح ہوئی آیت کے اس حصہ کی: ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ

اب آیت کے آخری حصہ پر آئیے، فرمایا: كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ○
"اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اُن کی مثالیں بیان کرتا ہے۔"

امثال کا مفہوم: یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ "امثال" کا لفظ کیوں کہا! میں اشارہ کر چکا ہوں کہ ابھی یہ حقیقت پردۂ مستقبل میں مستور ہے۔ یہ حقیقت تو یوم بدر میں عیاں ہو گی جس سے متصلاً قبل یہ سورۃ نازل ہوئی۔ مشرکین کے لئے وہ دن سراسیمگی، حیرانی اور ہیبت کا دن ہو گا۔ وہ ششدر رہ جائیں گے کہ یہ کیا ہوا؟؟ کہاں کیل کانٹے سے لیس ایک ہزار کا لشکر! اور کہاں تین سو تیرہ کی نفری جن کے پاس کل آٹھ تلواریں تھیں۔ ہر ایک کے پاس تلوار بھی نہیں تھی کسی کے پاس نیزہ ہے تو کوئی دوسرا ہتھیار نہیں کسی کے پاس تیر کمان ہے تو اور کوئی شے نہیں ہے — اس فوج کا تصور کیجئے جس کا رسالہ صرف دو گھوڑوں پر مشتمل ہے۔ البتہ کچھ اونٹ ساتھ ہیں جن

کی تعداد ستر بتائی گئی ہے حفیظ جالندھری مرحوم نے شاہنامۂ اسلام میں "بدر کی فرد" کے عنوان سے ایک بہترین اور پُر تاثیر نظم کہی ہے۔ اس کے اس مصرع میں یہ اعداد موجود ہیں کہ "یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے" ۔۔۔!

ادھر مشرکین کے لشکر میں سو گھوڑوں کا رسالہ مقابلہ کے لئے موجود تھا۔ اب آپ غور کیجئے کہ گھڑ سوار اور پیدل کا کیا مقابلہ! گھڑ سوار نہایت تیز رفتاری سے نیزہ تانے ہوئے حملہ آور ہوتا ہے۔ کوئی بے حساب کتاب میں آنے والی بات۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا! ان کے ستر سر کردہ افراد کے لاشے میدانِ بدر میں اس طرح پڑے ہوئے تھے، جیسے کھجور کے درخت کے کٹے ہوئے تنے ۔۔۔!

یوم الفرقان: اللہ تعالیٰ نے یوم بدر کو یوم الفرقان قرار دیا۔ ابوجہل نے خود یہ لفظ اختیار کیا تھا کہ آج کے دن کی جنگ "یوم الفرقان" ہوگا۔ اس نے یہ اس لئے کہا تھا کہ اسے یقین تھا کہ فتح ہماری ہے۔ ہمارے مقابلہ میں ہے کیا! کچھ بھی نہیں۔ اپنے لشکر کی ایک ہزار کی تعداد اور اس کا کیل کانٹے سے لیس ہونے پر اسے یقین و وثوق کامل تھا کہ فتح ہماری ہوگی یہ تین سو تیرہ افراد قریباً نہتے۔ یہ ہمارے مقابلہ میں کتنی دیر ٹھہر سکیں گے! لہٰذا ہماری فتح روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اسی گھمنڈ میں اس نے پیشگی طور پر اس دن کو یوم الفرقان قرار دے دیا تھا کہ یہ دن فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر ہے اور کس کے ساتھ اللہ ہے۔ جیت تو ہماری ہونی ہی ہے۔ لہٰذا کیوں نہ میں اپنی فطانت اور اپنی دور بینی کا سکہ جما لوں۔

اللہ تعالیٰ نے بعد میں سورۃ الانفال میں فرمایا کہ واقعتہً ہم نے اسے 'یوم الفرقان' بنا دیا۔ بات کھل کر سامنے آگئی کہ کون حق پر ہے اور کس کی پشت پر اللہ کی مدد حاصل ہے۔ ورنہ ایک ہزار کے کیل کانٹے سے لیس لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ قریباً نہتے اہلِ ایمان کا اس طور پر غالب آجانا کہ مشرکین کے ستر سر برآوردہ اور جنگجو لوگ مقتول ہوئے اور ستر ہی افراد اسیر بنا لئے گئے جب کہ اہلِ ایمان کے صرف تیرہ افراد شہید ہوئے ۔۔۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس سورۂ مبارکہ کے نزول سے پہلے تک یہ بات پردۂ مستقبل میں مستور تھی۔ لہٰذا 'امثال' کا لفظ لایا گیا: كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ "اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔" تاکہ جو حقیقت شناس لوگ ہیں وہ حقیقت کو پالیں۔ جن لوگوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ان مثالوں کے ذریعہ سے حقیقت تک پہنچ جائیں وہ پہلے سے اس کا ادراک

اور شعور حاصل کرلیں ۔

آج کی نشست میں تین آیات کا مطالعہ ہی مکمل ہو سکا ۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں ۔ اب انشاء اللہ اگلی نشست میں ہم چوتھی آیت کا مطالعہ کریں گے ۔ جس کے متعلق میں آپ حضرات کو بتا چکا ہوں کہ یہ آیت قرآن مجید کے اہم اور مشکل مقامات میں سے ایک ہے ۔ لہٰذا اس کے مطالعہ کے لئے ایک پوری نشست درکار ہو ۔ اللہ نے چاہا تو اسی آیت مبارکہ کا آئندہ نشست ہی میں ہم مطالعہ کریں گے ۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ط وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

(جاری ہے)

متحدہ عرب امارات کے

قارئین کے لیے اطلاع

متحدہ عرب امارات کے قارئین ماہنامہ "میثاق" و ماہنامہ "حکمت قرآن" کو ان پرچوں کی وصولیابی وغیرہ کے ضمن میں اگر کوئی شکایت ہو تو وہ ابوظبی میں ہمارے دفتر سے درج ذیل پتہ پر رابطہ قائم فرمائیں ۔

جمعیت خدام القرآن ابوظبی

ص ب ۳۸۸ ابوظبی

ٹیلیفون : ۷۱۶۵۰۹

اسلام میں مزدوروں کے حقوق

تحریر: محمد عبد الغفار عبد الرحمٰن الشریف - مدینہ منورہ
ترجمہ: ابو عبد الرحمن شبیر احمد بن نور احمد نورانی

الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین ولا عدوان الا علی الظالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وخاتم المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطیبین الطاہرین ـــــ وبعد:

مغرب کے مفکر اور ان کے حاشیہ نشین بلند بانگ انداز سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے انقلاب فرانس کے بعد حقوق انسانی کا تقرر کیا ہے۔ اور یہی بات مشرق کے مفکر اور ان کے خوشہ چین کر رہے ہیں کہ انہوں نے یہ حقوق سوشلسٹ انقلاب کے بعد انسانیت کو دیئے ہیں اور اس سلسلے میں اسلام کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں کہ وہ اس معاملے میں ناقص ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ مزدوروں جیسے کمزور طبقے کے حقوق کے معاملے میں اسلام کو ظالم شمار کرتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اس مختصر سے مضمون میں ان کی کج فہمی کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ صرف اللہ رب العلمین پر میرا بھروسہ ہے اسی سے تعاون و توفیق کا طلبگار رہوں۔ اگر بات صحیح بن گئی تو یہ صرف اللہ رب العلمین کی عنایت ہے اور اگر کمی رہ گئی تو قصور صرف میری ذات کا ہے۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔

•○•

مقدمہ: "عمل" کا لغوی مفہوم عربی زبان میں "عمل" پیشے، محنت، صنعت اور ہر طرح کے فعل کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "اعمال" استعمال ہوتی ہے۔ ایسے کام کرنے والے کو "عامل" کہتے ہیں۔ اس لفظ کی جمع "عمّال" یا "عاملین" استعمال ہوتی ہے۔

لفظ "عمل" قرآن حکیم میں ۳۶۰ آیات میں اور لفظ "فعل" ۱۰۹ آیات میں استعمال ہوا ہے بعض جگہ تو مطلق استعمال ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (فصلت ۳۳)

"اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا۔"

چنانچہ یہاں لفظ "عمل" عام ہونے کی وجہ سے دینی عمل اور دنیوی عمل دونوں کے لئے یکساں استعمال ہوا ہے۔

بعض دوسری آیات میں لفظ "عمل" صرف دنیوی اعمال کے لئے استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُونَ"

(یٰسٓ ۳۵)

"تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل اور وہ چیزیں جو ان کے اپنے ہاتھ بناتے ہیں۔"

کام کی اہمیت

علوم معاشرت کے اہل علم کہتے ہیں "انسان اپنی طبیعت کے لحاظ سے معاشرت پسند ہے اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس انداز سے انسان کو پیدا کیا ہے، وہ غذا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر تلاشِ غذا کی رہنمائی فرمائی ہے اور اس کام کی استعداد بھی اس کے اندر رکھ دی ہے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ایک آدمی تنہا بقدر ضرورت غذا حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر کم از کم ایک دن کی خوراک گندم کو ہی فرض کرلیں تب بھی اسے پیسنے، گوندھنے اور پکائے بغیر خوراک حاصل نہیں ہوسکتی، اور ان تینوں کاموں کے اپنے اپنے آلات اور مشینیں ہیں جن سے کام مکمل کیا جاتا ہے بلکہ ہر کام ایک علیحدہ صنعت ہے: پہلا کام پیسنے والے کا ہے جو کہ عام طور پر لوہار کرتا ہے۔ دوسرا کام ایک ملازم کرتا ہے اور تیسرا کام باورچی کا ہے۔

چنانچہ ضرورت یہ ہے کہ کافی لوگ مل کر کام کریں تاکہ ان سب کے لئے خوراک کا انتظام ہوسکے اور تعاون باہمی کے نتیجے میں ہی بہت سارا کام نمٹ سکتا ہے۔

اسی طرح ہر آدمی اپنے دفاع اور تحفظ کے معاملے میں بھی دوسروں کا محتاج ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے مختلف حیوانات کی مختلف طبیعتیں بنائی ہیں اور ان میں قسم ہا قسم کی قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں اور یہ قوتیں انسان کی قوتوں کے مقابلے میں بہرحال زیادہ ہیں

البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے انسان کو غور وفکر اور ہاتھ کی طاقت دی ہے اور ہاتھ انسانی سوچ کو صنعت کی شکل میں عملی جامہ پہنا سکتا ہے۔ صنعتوں کے ذریعے ایسے ایسے ہتھیار تیار کئے جا سکتے ہیں جن سے حیوانات کے مقابلے میں دفاع کا کام لیا جا سکے۔ چنانچہ ایک تنہا آدمی کی قوت ان حیوانات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور خاص طور پر درندہ حیوانات کا مقابلہ تو بالکل ناممکن ہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے دفاعی ہتھیار ایک ہی آدمی تو نہیں استعمال کر سکتا لہٰذا دوسرے افراد سے تعاون ناگزیر ہے۔ لہٰذا انسانیت کے لئے مل کر رہنا بھی لازمی ہے۔ اور اسی طرح باہمی تعاون عمل بھی ضروری ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا منشا بھی نامکمل رہ جاتا ہے کیونکہ انہی انسانوں کے ذریعے کائنات کی تعمیر ہونی ہے اور یہ تعمیر اشتراکِ عمل سے ممکن ہے۔

اسلام کی نگاہ میں کام کی اہمیت

دوسری امتوں کے مقابلے میں اسلام کی نگاہ کام سے متعلق بہت مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عنصر قوموں کی زندگی کا ضامن ہے۔ دورِ اسلام سے پہلے والی امتیں کام کو برا سمجھتی تھیں اور خاص طور پر فنی قسم کے کاموں کو، بلکہ معاشرتی تقسیم بھی انہی کاموں کی وجہ سے ہوتی تھی۔ چنانچہ چینی معاشرہ ۴۸۳ — ۲۰۰ قبل مسیح جوان جوغ کے زمانے میں تین حصوں میں منقسم تھا۔

۱۔ شاہی خاندان ۲۔ سردارانِ قوم

۳۔ رعایا

رعایا ہی معاشرے میں کام کرنے والا طبقہ تھا۔ یونانی، رومانی، فارسی اور مصری معاشرے کا حال بھی اس سے زیادہ بہتر نہ تھا ــــ عرب بھی دورِ جاہلیت میں تجارت اور لوٹ مار میں مصروف رہتے تھے۔ زراعت، صنعت اور کشتی رانی جیسے پیشوں سے پہلوتہی کرتے تھے۔

بنو تمیم، بنو ازد کو کشتی ران ہونے کا طعنہ دیتے تھے۔ اس لئے کہ بنو ازد کے نوجوان عام طور پر عمان میں کشتی رانی کرتے تھے۔ مکّہ کے قریش اہلِ مدینہ کو اس لئے حقیر سمجھتے تھے کہ وہ پیشہ زراعت سے منسلک تھے۔

اسلام کا نقطۂ نظر کام سے متعلق بالکل ہی مختلف ہے۔ اس کے نزدیک کام شرافت

اور عبادت ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : مَا أَکَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ أَنْ یَأْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ وَإِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاؤدَ کَانَ یَأْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدِہٖ

(صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ)

"سب سے بہتر کھانا اس آدمی کا ہے جو اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔"

کام کی شرافت بیان کرنے کے لئے یہ بات ہی کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہوش سنبھالا ہے تو کام اور محنت سے ہی واسطہ پڑا۔ چنانچہ آپ نے بچپن میں بکریاں چرائیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات فخریہ بیان کیا کرتے تھے:

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَنَّہٗ قَالَ "مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا إِلَّا رَعَی الْغَنَمَ" قَالُوْا وَأَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ وَأَنَا رَعَیْتُھَا لِأَھْلِ مَکَّۃَ عَلٰی قَرَارِیْطَ"

(بخاری کتاب الاجارۃ - باب رعی الغنم علی قراریط)

حضرت انسؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔ صحابہؓ نے دریافت کیا: کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں نے بھی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔"

(نوٹ: اس معنی کی حدیث صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، طبقات ابن سعد، مسند الطیالسی اور مسند الامام احمد بن حنبل میں بھی موجود ہے)

اسلام نے صرف کام کی شرافت وعظمت ہی بیان نہیں کی، بلکہ اسے مسلمانوں کا فرض قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ:

"مسلک امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے اکثر فقہاء کے علاوہ امام غزالی اور امام ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کاشت کاری، کپڑا سازی اور تعمیر عمارت اور اسی طرح کے دوسرے کام فرض کفایہ ہیں۔ اس لئے کہ ان کے بغیر لوگوں کی ضرورت پوری نہیں ہوسکتی" (الاسلام والدولۃ عند ابن تیمیہ ص۱۲۵ مؤلفہ محمد المبارک)

امام ابن تیمیہ مزید فرماتے ہیں :

حسب قدرت جسمانی کام کرنے واجب ہیں۔ جیسا کہ لوگوں کو تعلیم دینا اور فتویٰ دینا ضروری ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔

(نظام [illegible] صفحہ [illegible])

اسلام میں حدود عمل

کام کا دائرہ اسلام میں بہت وسیع ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا [illegible] یا انسانی فلاح کی کوشش یا انسانی شرافت و مقام و مرتبت کی حفاظت کا [illegible] کام دائرہ عمل [illegible] ہے زمان و مکان کی کسی قید و شرط کے بغیر [illegible] کام کے میدان [illegible] ہے۔ جس قدر چاہے کام تلاش کرے بشرطیکہ اس کا کوئی [illegible] ہو اور حدود شرعیہ کے اندر۔ مندرجہ ذیل دو طرح کے کاموں کے علاوہ ہر طرح کی کمائی حلال ہے :

(۱) ہر وہ محنت جسے شرعاً حرام قرار دیا گیا ہو۔ جیسے جسم فروشی، علم نجوم وغیرہ وغیرہ۔ اس کا معاوضہ غلط کام [illegible] ہے۔ اسی طرح ہر وہ کام جو اگرچہ خود تو حرام نہ ہو لیکن کسی غلط کام کا تعاون ہو۔ جیسے [illegible] سود [illegible] کی لکھائی پڑھائی وغیرہ وغیرہ۔

(۲) کسی ایسے کام کی نیابت کرنا جو ہر آدمی پر بذات خود واجب اور فرض ہو جیسے نماز روزہ۔ ایسے کاموں میں اصل مقصود تو یہ ہے کہ جس کی ذمہ داری ہے وہ خود ادا کرے لہٰذا ان کاموں میں کسی زندہ کی طرف سے نیابت نہیں ہو سکتی۔ ہاں البتہ [illegible] کی صورت میں حج میں نیابت ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔

مزدوروں کے حقوق

۱۔ روزگار کی فراہمی

اسلامی حکومت ہر ایسے کام کا اہتمام کرے گی جو فوائد کو حاصل کرنے یا نقصانات کو روکنے

کا وسیلہ ہو اور اسی طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان عدل و انصاف کا ذریعہ ہو۔ لہٰذا مسلمان حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کے روزگار کا صحیح انتظام کرے، اس سے بڑھ کر اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ تمام مسلمانوں کے لئے روزگار کا موقع فراہم کرے۔

منصب خلافت سنبھالنے کے بعد خلیفہ پنجم حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ ان کے پاس آئیں تو انہیں روتے ہوئے پایا۔ دریافت کیا کیا ماجرا ہے؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا "مجھے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ دار بنا دیا گیا ہے تو میں نے بھوکے فقیر، لاچار مریض، نادار، مجبور، مظلوم، مسافر، قیدی اور بوڑھے کے معاملے پر غور کیا اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مجھ سے ان سب کے بارے میں پوچھے گا تو مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ میرے پاس بچاؤ کی کوئی دلیل نہیں تو میں رونے بیٹھ گیا"۔

امام ابن حزم کہتے ہیں "ہر شہر کے امیر لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ غریبوں کی کفالت کریں حاکم وقت ان کو اس بات پر مجبور کرے۔ اگر زکوٰۃ کی مد سے حاصل ہونے والا سرمایہ ان کی کفالت کے لئے کافی نہ ہو تو ان کے لئے اس قدر وسائل کا انتظام کیا جائے جس سے ان کی خوراک، گرمی سردی کا لباس اور ایسی رہائش دستیاب ہو جائے جس سے وہ بارش، دھوپ اور آفات سے پناہ لے سکیں"۔

اگر یہ بات مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے لئے تمام بنیادی ضرورتوں کا انتظام کر دے تو کہیں زیادہ ذمہ داری مسلمان حکومت پر اس بات کی عائد ہوتی ہے کہ وہ ہر فرد کے لئے باعزت روزگار کا انتظام کرے، جسے وہ بآسانی ادا کر سکے تاکہ کسی آدمی کی زندگی معاشرے پر بوجھ نہ بنے۔

۲۔ حق اجرت:

"اجرت" لغوی لحاظ سے کسی کام کے معاوضے یا بدلے کو کہتے ہیں:

شرعی لحاظ سے | کوئی بھی مقررہ معاوضہ جو کسی بھی معلوم و معروف منفعت کی شکل میں ہو جو خرچ بھی کیا جا سکے اور مباح بھی ہو۔

اجرت کی اسلام میں کوئی محدود شکل نہیں ہے۔ چنانچہ جو چیز بھی کسی دوسری شے کی قیمت بن سکتی ہے۔ وہ اجرت اور معاوضہ بھی بن سکتی ہے۔ اجرت میں یہ شرط ضرور ہے کہ

وہ معلوم قسم کی جنس ہو، اس کی کیفیت اور مقدار بھی معلوم ہو۔ مزدوری مکمل عرصہ ملازمت کے لئے طے نہ کی جائے بلکہ کسی معینہ وقت تک کے لئے مزدوری طے کی جائے اس کے بعد یہ معاہدہ خواہ کتنا ہی عرصہ چلتا رہے تاکہ تجدید معاہدہ کا موقع باقی رہے۔

اس ضمن میں اسلام نے مزدوروں کے بہت سارے حقوق کا تحفظ کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ اجرت کی فوری ادائیگی:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اَعْطُوا الاَجِیْرَ اَجْرَہٗ قَبْلَ اَنْ یَجِفَّ عَرَقُہٗ (سنن ابن ماجہ، معجم الطبرانی، مسند ابویعلی، مجموعی طور پر سند قابل اعتماد ہے)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مزدور کو پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو"

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ: ثَلَاثَۃٌ اَنَا خَصْمُھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ کُنْتُ وَرَجُلٌ اِسْتَاْجَرَ اَجِیْرًا فَاسْتَوْفٰی مِنْہُ الْعَمَلَ وَلَمْ یُعْطِہٖ اَجْرَہٗ

(صحیح البخاری کتاب البیوع۔ باب اثم من باع حراً)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت کے روز تین آدمیوں کے خلاف میں خود مقدمہ لڑوں گا اور جس آدمی کے مدمقابل میں خود آگیا اسے بہرحال نیچا دکھا دوں گا (ان تینوں میں سے) ایک آدمی وہ ہے جس نے کسی کو اجرت پر رکھا پھر اس سے کام تو پورا لیا، لیکن اس کی اجرت نہ دی"۔

ان دونوں شرعی دلائل کے اندر ہم یہ بات بہت واضح انداز میں دیکھ رہے ہیں کہ اسلام نے کتنے ہی احسن طریقے سے مزدور کے حق کا تحفظ کیا ہے اور مالک کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ وہ مزدور کا استحصال کر سکے۔ بلکہ فقہاء نے تو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ مزدور کام کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھ لے یہاں تک کہ مالک اس کی مزدوری چکا دے۔ اسلام کے انصاف کی یہ درخشاں مثال ہے کہ اس نے مزدور کی اجرت کا ہی تحفظ نہیں کیا بلکہ مالکوں کو اس بات کی بھی رغبت دلائی ہے کہ وہ مزدوروں کی عزت کریں، ان کی اجرت سے زیادہ ان کو دیں،

اور ایسے کاموں کو نیکی شمار کیا ہے (یہ مضمون متعدد احادیث میں موجود ہے)

ب۔ کم از کم اجرت کا تقرر:

مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاہدے کے مطابق طے شدہ اجرت ادا کرے بشرطیکہ معاہدہ فریقین کی رضامندی سے طے ہوا ہو اور اس میں کسی قسم کا دباؤ اور جبر بھی نہ ہو۔ خواہ یہ دباؤ حقیقی ہو یا معنوی۔

کبھی کبھی فریقین (آجر و اجیر یعنی مالک اور مزدور) غیر منصفانہ طرز عمل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر کاروبار کے حالات اچھے ہوں تو مالک دباؤ میں ہوتا ہے۔ اگر کاروبار مندہ ہو (خاص طور پر جن دنوں افراد قوت وافر مقدار میں میسر ہو اور مزدوری سستی ہو) تو مزدور اپنی ضروریات سے مجبور ہو کر اپنی محنت سے بھی کم معاوضہ قبول کر لیتا ہے۔ اس صورت حال کا خود ساختہ قوانین (وہ قوانین جو انسانوں نے از خود بنائے ہیں اور وہ کسی آسمانی شریعت کے تابع نہیں ہیں) کے اندر تو کوئی حل موجود نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی نگاہ میں جبر و اکراہ مالک کی طرف سے نہیں ہے بلکہ واقعاتی حالات کی وجہ سے ہے۔ البتہ اسلام نے ایسی صورت حال میں بھی ایک عادلانہ حل پیش کیا ہے جو حکیمانہ نظام کا آئینہ دار ہے

لہٰذا اضطراری حالات سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ایسے معاہدے کو اسلام نے فاسد قرار دیا ہے اور یہ بات بھی لازمی قرار دی ہے کہ مزدور کو مروجہ اصولوں کے مطابق اجرت دی جائے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ (سورۃ الاعراف: ۸۵)

"لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو۔"

مسلمان حاکم کی ذمہ داری ہے کہ وہ مداخلت کرے اور مزدوروں کی اجرت مقرر کرے۔ دُرّ مختار میں ہے "مجبور کی خرید و فروخت فاسد ہے" شیخ ابن عابدین اس قاعدے کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں "یہ کہ انسان خورد و نوش لباس یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور دکاندار بہت زیادہ قیمت پر سودا فروخت کرے۔ اسی کے برعکس معاملہ خرید کا بھی ہے"۔ اضطرار کو ثابت کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ خرید و فروخت "غبن فاحش" ہو۔ اور غبن فاحش کی تعریف یہ ہے کہ اس طرح کی خرید و فروخت جو عام آدمی کے لئے ناقابل برداشت ہو جائے، البتہ تھوڑی بہت مہنگائی معاف ہے۔ کیونکہ اس کو اضطرار نہیں کہتے۔ اگر ہم اس بات کو دوسرے زاویے سے دیکھیں کہ خرید و فروخت میں رقم کے بدلے سامان دیا جاتا ہے۔ اور

مزدوری میں رقم کے بدلے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ لہٰذا حکم کے اعتبار سے مزدوری کو تجارت پر پر قیاس کرنا ممکن اور صحیح ہے۔ اگر کوئی آدمی اپنی زندگی یا افراد خانہ کی زندگی کی وجہ سے مجبور ہو جائے اور کوئی استحصال اسے کم اجرت پر رکھ لے تو اسلامی عدالت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی مزدوری کو مقررہ حد تک طے کر دیئے، اسلام کے عادلانہ نظام کا یہی تقاضا ہے۔ اور یہی ہے اس وقت ہوگا جب کوئی مالک مجبور ہو جائے اور اسے مروجہ اجرت سے زیادہ پر مزدور حاصل کرنا پڑے۔

ج : اضافی اجرت

مزدور کے ذمے صرف اتنا ہی کام لازمی ہے جو مالک کے ساتھ معاہدے میں طے پا گیا ہو۔ خواہ یہ مقررشدہ مقدار وقت کے لحاظ سے ہو (یعنی اتنے گھنٹے کام) یا کام کی مقدار کے لحاظ سے۔ اگر مالک اس سے زیادہ کام لے تو اضافی کام کے اعتبار سے مزدور کو اضافی اُجرت بھی ملے گی۔ اس لئے کہ اس نے اضافی محنت خرچ کی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

"فَاِذَا كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ"

"جب تم انہیں (مزدوروں کو) تکلیف میں ڈالو تو ان سے تعاون کرو"

د : اُجرت کے ملحقات

کھانا، لباس، علاج اور رہائش ملحقاتِ اجرت میں شامل ہیں "الاحکام العدلیہ" نامی رسالہ میں ہے "اگر کسی علاقے میں یہ رواج ہو کہ وہاں مزدور کو کھانا بھی دیا جاتا ہے تو مالک کے ذمے کھانا دینا بھی لازمی ہوگا اور یہی حکم رہائش، لباس اور علاج کا بھی ہے۔ کیونکہ رواج عام شرط کے درجے میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ فقہ کا قانون ہے۔ عرف عام مقرر کردہ شرط کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَطْعَمُ وَيُلْبِسُهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ وَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ "

(صحیح البخاری، کتاب الایمان باب ۲۲، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب ۱۰)

یہ تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارا ماتحت بنایا ہے جس کسی کے ماتحت اس کا بھائی (دینی بھائی) ہو تو جس طرح کا خود کھاتا ہو اسے بھی کھلائے، اور جس طرح کا خود پہنتا ہو اسے بھی پہنائے اور ان کی استطاعت سے زیادہ ان کو کام نہ دو، اور اگر ان کو ذمہ داری دے دو تو ان سے تعاون کرو"۔

۳ حادثات کا معاوضہ

دوران کام، کسی کام کی وجہ سے مزدور کو متعدد قسم کے خطرات درپیش ہوتے ہیں کبھی وہ زخمی ہو جاتا ہے، کبھی کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے اور کبھی کوئی ایک صلاحیت (سننا، دیکھنا وغیرہ) ضائع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ مزدور جزوی یا کلّی طور پر بے کار ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو ایسے حادثات سے موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ اور مالکوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انتظام اور مکمل احتیاط کے تقاضے پورے کریں تاکہ مزدور کا تحفظ ہو سکے۔ اور کوئی تکلیف وہ حادثہ پیش آنے سے پہلے اس کا بچاؤ کیا جا سکے۔

اگر مزدور کا کوئی نقصان ہو جائے تو معاوضے کی ادائیگی ضروری ہے اور یہ معاوضہ نقصان اور تکلیف کے لحاظ سے ہوگا۔ کیونکہ یہ بات تو فقہ کے بنیادی قواعد میں سے ہے۔ " لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ " نہ کسی کو تکلیف دینی ہے اور نہ خود تکلیف برداشت کرنی ہے"۔

اور دوسرا قاعدہ ہے " اَنَّ الضَّرَرَ يُزَالُ " تکلیف دہ چیز کو ختم کر دیا جائے" اور یہ بات بلا شک وشبہ کہی جا سکتی ہے کہ مالی معاوضہ ازالہ تکلیف کی ایک قسم ہے اور تکلیف کی سختی کو کم کر دیتی ہے"۔

لیکن سوال یہ ہے کہ تکلیف کی ذمہ داری اور معاوضہ کس پر عائد ہوگا؟ ہمارے خیال میں حالات کے لحاظ سے معاوضہ مختلف لوگوں پر عائد ہوگا۔

اگر ہدایات میں کوتاہی یا احتیاطات میں کمی کی وجہ سے حادثہ پیش آیا ہے تو ذمہ داری مالک کی ہے اور مالک کو ہی حادثے کی نوعیت کے لحاظ سے عوضانہ ادا کرنا پڑے گا اور معاوضے کا اندازہ ایسے تجربہ کار لوگوں کی رائے سے لگایا جائے گا جو ہر طرح کے لالچ اور بد دیانتی سے بری ہوں۔ معاوضے کے ضمن میں صحت مند ہونے تک علاج کا خرچ بھی شامل ہوگا اور جو کمی واقع ہو گئی ہے اس کی تلافی کا بھی لحاظ کیا جائے گا ــــ اور اگر حادثے کی وجہ سے مزدور مستقل "بے کار" ہو جائے تو مزدور کی فنی صلاحیت کے لحاظ سے جس قدر اس کا نقصان ہوا ہے اس کے اندازے سے عوضانہ ادا کیا جائے گا۔

اور اگر حادثہ مزدور کی غلطی کی وجہ سے ہوا ہو یا اتفاقی معاملہ پیش آگیا ہو تو مالک کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ البتہ تلافی مزدور کے مال سے کی جائے گی۔ یا پھر مسلمان حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حادثے کے شکار شہری کی کفالت کرے۔ کیونکہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں یہ شامل ہے کہ ہر مسلمان کی کفالت کرے۔

۴ - پنشن

فقہ اسلامی کی کتابوں میں پنشن نامی کسی موضوع پر گفتگو نہیں کی گئی۔ کیونکہ اس طرح کی شکل اسلامی حکومت یا اسلامی معاشرے میں کبھی درپیش نہیں آئی تھی۔ البتہ شرعی دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلمان معاشرے کے تمام افراد آپس میں ایک دوسرے کی کفالت کے ذمہ دار ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ

(صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الوصاۃ بالجار، صحیح مسلم، کتاب البر، باب الوصیۃ بالجار)

"حضرت جبریل امین مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں نصیحت کرتے رہے۔ مجھے تو یہاں تک گمان ہو گیا کہ شاید وہ پڑوسی کو جائیداد کا وارث بھی قرار دے دیں گے۔"

اور دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا :

" اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ

(صحیح بخاری ۔ کتاب الادب ، باب من وصل وصله الله باب ۱۳ (معنوی طور پر حدیث موجود ہے) صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ۔ باب صلۃ الرحم ۶)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ مَالٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا مَالَ لَهُ ، وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ "

(ہمارے مروجہ صحیح مسلم کے اندر یہ روایت نہیں ہے ۔ البتہ تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ یہی بات صحیح مسلم کتاب اللقطہ حدیث ۱۸ میں ہے

جس آدمی کے پاس زائد از ضرورت مال ہو وہ اس آدمی کو دے جس کے پاس مال نہ ہو اور جس کے پاس اضافی سواری ہو وہ اسے اس آدمی کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو ۔"

اور اس کے بعد امیر المؤمنین اور بیت المال کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر فرد کی کفالت کرے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

" كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ "

صحیح بخاری ، کتاب الاستقراض باب ۲ العبد راع ..... الخ)

" تم میں سے ہر فرد نگران ہے اور ہر آدمی اپنی رعایا کی حد تک جواب دہ ہے "

مزید ارشاد فرمایا :

اَنَا اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيَّ قَضَاءُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ

(صحیح بخاری کتاب الفرائض باب ۴ ، صحیح مسلم کتاب الفرائض باب ۴)

" میں اہل ایمان سے بہت قریب ہوں ، جو آدمی مقروض مرا ہو اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہو سکے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے اور جو آدمی مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے ورثاء کا ہے ۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے :

مَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَلْيَأْتِنِيْ فَاَنَا مَوْلَاهُ

(صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر سورت الاحزاب ع۳۳ ۔ ابتداء میں
صحیح مسلم ۔ کتاب الفرائض باب ع۲)

جس نے قرض چھوڑا یا ہرجانہ ادا کرنا ہو تو وہ (طلبگار) میرے پاس آئے اس کا سرپرست میں خود ہوں ۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ :

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو مانگتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا : " ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا، ہم نے تیری جوانی کی کمائی تو لے لی ہے البتہ بڑھاپے میں تجھے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہے، پھر اس کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا ۔"

اگر پنشن کا موجودہ نظام اسلامی نظام میں موجود نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اسلامی حکومت ایسا نظام بنا سکتی ہے جو موجودہ پنشن سے قریب تر ہو۔ کیونکہ مصالح مرسلہ[1] بھی بعض فقہاء کے نزدیک شریعت کا ایک حصّہ ہے

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے :

" اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَنَّى وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ النَّاسِ بِهَا "

(سنن الترمذی ۔ کتاب العلم ۔ آخری باب، آخری حدیث)

دانائی مومن کی گم کردہ متاع ہے وہ جہاں بھی اسے پائے دوسروں کے مقابلے میں وہ زیادہ حقدار ہے ۔"

آخری بات

اس مختصر سی بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام نے تمام نظاموں سے پہلے مزدوروں کے حقوق کا

---

[1] جس بات کا حکم یا نہی شریعت میں موجود نہ ہو اگر حالات کا تقاضا ہو تو کسی مفید کام کو اختیار کرنے کا نام " مصالح مرسلہ " ہے ۔ گویا کہ حرام، حلال کے علاوہ قانون سازی کی آزادی کا نام ہے ۔

تعین کیا ہے بلکہ اسلام نے تو ایسی ضمانتیں فراہم کی ہیں کہ کسی طرح بھی مزدوروں کے حقوق سے کھیلا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا کسی نام نہاد مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام کو کسی بھی میدان میں ناقابل عمل ہونے کا الزام دے سکے اور وہ یہ خیال کرتا رہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو صرف حدود مسجد میں قید کر رکھا ہے اور مسلمانوں کو نماز روزے کے علاوہ کسی بات کی خبر نہیں۔ بلکہ ہم تو پورے فخر اور اعتماد سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ

"اے گھاس پھوس جیسی بے حقیقت تہذیب و تمدن پر اترانے والے یہ بات کھلے دل سے جان لے کہ اسلام نے سب سے پہلے حقوق انسانی مقرر کئے ہیں۔ اور یہ بات صرف نظریاتی نہ تھی بلکہ صحابہ کرام نے اس کو حقیقت کا جامہ پہنا کر دکھایا ہے۔"

میرے مسلمان بھائیو! یہ بات واضح رہے کہ اسلام کسی کے دفاع کا محتاج نہیں۔ یہ مختصر سا مضمون تو صرف اس لئے تحریر کیا ہے کہ اسلام کے بعض درخشاں پہلو آپ کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائیں۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الخلق وخاتم النبیین واصحابہ اجمعین!

ماخوذ از مجلہ "ھٰذہ سبیلی" مجلۃ المعھد العالی للدعوۃ الاسلامیہ۔ جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ ریاض — سعودی عربیہ

نمازِ مسنون

نماز سے متعلق جملہ مسائل کے بیان پر مشتمل ایک نہایت گرانقدر کتاب

تالیف: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

جس میں بیان مسائل کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ صحابہ رض سے دلائل بھی درج کیے گئے ہیں —— قیمت ۵/۰ روپے

بڑے سائز کے ۲۳۰ صفحات۔ عمدہ سفید کاغذ۔ اعلیٰ کتابت۔ معیاری طباعت۔ دیدہ زیب جلد۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ

غیر مسلمین کے ساتھ موالات کا حکم

از قلم : غازی عزیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ، اَمَّا بَعْدُ :-

"پاکستان کے ممتاز مفکر و عالم دین" جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کسی غیر اہل کتاب شخص کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کی ممانعت بیان کرنے کے سلسلہ میں ایک مدلل اور تحقیقی مضمون اس سے قبل بعنوان "غیر اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانے کا مسئلہ" مورخہ یکم مئی ۱۹۸۶ء کو مرتب کیا جا چکا ہے جسمیں غیر مسلمین اور بالخصوص کفار و مشرکین کے ساتھ "ترک موالات" کی ترغیب اور اس سے متعلق جملہ احکام ایک الگ موضوع بحث ہونے کے سبب قصداً بیان نہیں کیئے گئے تھے لیکن بعض حلقوں میں "کفار و مشرکین" کے ساتھ "ترک موالات" کے احکام کو ان کی ذات کے "نجس عین" ہونے یا ان کی چھوئی یا پکائی ہوئی کسی حلال خوردنی شے کو استعمال کرنے کی حرمت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جو فی الواقع تاویل بعید، خلطِ مبحث اور CONFUSION کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں بعض رفقاء نے سعودی عرب کے ایک معزز، بے باک، نامور، حق گو سلفی بزرگ، اپنے وقت کے ایک ممتاز جید عالم دین اور حقیقی مجاہد بالقلم علامہ شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے رسائل کے مجموعہ "الاربع الرسائل المفیدۃ" طبع یازدہم الریاض ۱۴۰۱ھ کے ایک وقیع رسالہ "الھدیۃ الثمینۃ فیما

یحفظ بہ المرء دینہ" کے صفحات صـ۸۱ تا ۹۴ کا خلاصہ نقل کر کے دیا ہے جو کفار و مشرکین کے ساتھ "موالات" کے حکم سے متعلق ہے۔ اس یک ورقہ خلاصہ کا بامحاورہ اور سلیس اُردو ترجمہ اور اس موضوع سے متعلق شرعی احکام بصورت "استدراک" ذیل میں پیش خدمت ہے:۔

آں رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لا تزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورۃ لا یضرھم من خذلھم حتی یاتی امر اللہ"[۱]	ترجمہ: "میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوگی۔ اسکی مخالفت کرنے والے اور نقصان پہنچانے والے اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر (یعنی قیامت) آجائے۔

لیکن یہ برحق گروہ بہت قلیل تعداد میں ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ کاش میں بھی ایسی ہی شان والوں میں سے ایک فرد شمار کیا جاؤں اگرچہ میرا علم اور قدرت کلام بہت مختصر ہے۔ جب میں اکثر لوگوں کو دین اسلام سے انقلاب کرتے اور صنم پرستوں اور شریعت کے دشمنوں یعنی نصاریٰ (عیسائی)، ملحدین اور روافض (شیعہ) کے ساتھ موالات کرتے دیکھتا ہوں تو میری دینی غیرت وحمیت اور انسانی شفقت بیدار ہو اٹھتی ہے، چنانچہ میں نے بعض قرآنی آیات واحادیث نبویؐ اور علمائے سنتؒ کے اقوال جمع کئے ہیں جو سہل انداز میں مشرکین کے ساتھ اختلاط (یعنی گھلنے ملنے) کی حرمت، ان کے ساتھ موالات، ان کی بستیوں (اور ممالک) کی جانب سفر کرنے، وہاں قیام کرنے اور اجنبی شرکات (کمپنیوں) کے ساتھ اضطراری حالات میں کام کرنے کے احکام سے متعلق ہیں۔۔۔ الخ

علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ

---

[۱] رواہ مسلم ج ۲ صـ۱۴۳ و ابن ماجہ ج ۱ صـ۳ عن ثوبان وکذا فی الدارمی ج ۲ صـ۲۱۳ و البخاری ج ۲ صـ۱۰۸۷ عن مغیرہ بن شعبہ و رواہ مسلم ج ۲ صـ۱۴۳ عن معاویہ ایضاً باختلاف اللفظ۔

وسلم کی زبان مبارک سے تمام مومنوں پر مشرکین کے ساتھ رفاقت اور ان کے ساتھ مودت کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے اور اس پر سخت وعید و تہدید مذکور ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

۱- "لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً" ؎۲

ترجمہ: "مسلمانوں (مومنوں) کی دوستی سے تجاوز کر کے اور جو شخص ایسا کام کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔" ؎۳

[مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم فرماتے ہیں کہ "اوپر (اس سے قبل) کفار کی مذمت مذکور تھی اس آیت میں ان کے ساتھ دوستی کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں (اور) تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے ایک یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے بھی دوستی رکھیں، یہ دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص۷۸ حواشی ۳۷۲ھ)]

۲- "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تَتَّخِذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" ؎۴

ترجمہ: "اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، تمہارے پیش رو اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے تمہارے دین کو مذاق اور تفریح کا سامان بنا لیا ہے انہیں اور دوسرے کافروں کو اپنا دوست اور رفیق نہ بناؤ۔ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔" ؎۵

؎۲ سورہ آل عمران - ۲۸ پ۳ ؎۳ ترجمہ و تفسیر اختصار شدہ بیان القرآن از مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم ص۷۸ طبع تاج کمپنی ؎۴ سورہ المائدہ - ۵۷ پ۶ ؎۵ تفہیم القرآن از مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم ج ۱ ص۴۸۳ طبع ادارہ ترجمان القرآن لاہور

[اس آیت کے نزول کے اسباب بیان کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "یہ اشارہ ہے دو قصوں کی طرف ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے کہ یہ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع و سجدہ کرتے دیکھتے اور تمسخر کرتے۔ دوسرا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان سنتا اشہد ان محمداً رسول اللہ تو کہتا قد حرق الکاذب یعنی جھوٹا جل جاوے۔ ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے یہ تو الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کے مصداق تھے اور الکفار کے مصداق کا ایک قصہ یہ ہوا تھا کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سعید بن الحارث نے منافقانہ اظہار اسلام کیا تھا۔ بعضے مسلمان ان سے اختلاط رکھتے تھے۔ ان سب واقعات پر یہ آیتیں نازل ہوئیں" (اختصار شدہ بیان القرآن صفحہ ۱۰۱)]

۳۔ "بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ الَّذِيْنَ
يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ
فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۔ وَ
قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ
اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا
فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ"

ترجمہ: "اور جو منافق اہل
ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا
رفیق بناتے ہیں انہیں یہ مژدہ
سنا دو کہ ان کے لئے دردناک
سزا تیار ہے۔ کیا یہ لوگ عزت کی
طلب میں ان کے پاس جاتے ہیں
حالانکہ عزت تو ساری کی ساری
اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ اس
کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے
چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی
آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے
اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

۶؎ سورہ النساء - ۱۳۸ تا ۱۴۰ ۵؎ پ

وہاں نہ بیٹھو جبتک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں ۔
اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔"

[مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم لکھتے ہیں کہ :" یہ استہزار کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غربار وضعفار مسلمین کے روبرو۔ پس جس طرح وہاں مشرکین کی مجالست ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی مجالست سے نہی ہے۔ اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں : اوّل ان کی کفریات پر رضا کے ساتھ یہ کفر ہے ، دوم اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ مگر بلا عذر یہ فسق ہے ، سوم کسی ضرورت دنیوی کے واسطے یہ مباح ہے ، چہارم تبلیغ احکام کے لئے یہ عبادت ہے ، پنجم اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ اس میں معذوری ہے " (اختیارشدہ بیان القرآن ص۹)]

۴ ۔" یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ؕ"	ترجمہ :اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو" ۸

[مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم فرماتے ہیں :" حجت صریحہ یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا تو پھر کیوں ایسا کیا "
(اختصار شدہ بیان القرآن ص۹ حاشیہ ۹)]

۵ ۔" تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ	ترجمہ :" آج تم ان میں بکثرت ایسے لوگ دیکھتے ہو جو (اہل ایمان کے مقابلہ میں) کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں یقیناً بہت برا انجام ہے جس کی تیاری ان کے

---

۷ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۰۸
۸ سورہ النساء ۱۴۴ پ۵
۹ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۱۱

هُمْ خٰلِدُوْنَ ۔ وَلَوْ كَانُوْا	نفسوں نے ان کے لئے کی ہے۔
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ	اللہ ان پر غضبناک ہوگیا ہے اور
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا	وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے
اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ	والے ہیں۔ اگر فی الواقع یہ لوگ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝	اللہ اور پیغمبرؐ اور اس چیز کے ماننے
لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ	والے ہوتے جو پیغمبرؐ پر نازل ہوئی
عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	تھی تو کبھی (اہل ایمان کے مقابلہ
الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ	میں) کافروں کو اپنا رفیق نہ بناتے
اَشْرَكُوْا ۔" [1]	مگر ان میں سے تو بیشتر لوگ خدا

کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے۔" [2]

جو اہل ایمان کے مقابلہ میں کفار کی حمایت و رفاقت کرتے ہیں ایسے لوگوں کی وضاحت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم یوں فرماتے ہیں: "یہود مدینہ اور مشرکین مکہ میں مسلمانوں کی عداوت کے علاقہ سے جس کا منشا تناسب فی الکفر تھا باہم خوب سازگاری تھی۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۰۹ حاشیہ ۵)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے: "اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ان کی (کفار و مشرکین کی) "ولایت" [3] کے بغیر مستلزم ہے۔ ان کی ولایت کا اثبات عدم ایمان

---

[1] سورہ المائدہ - ۸۰ تا ۸۲ پ ۶ [2] تفہیم القرآن ج ۱ ص۴۹۶ ص۴۹۷

[3] "ولایت" کا لفظ عربی زبان میں حمایت، نصرت، مددگاری، پشتیبانی، دوستی، قرابت، سرپرستی اور اس سے ملتے جلتے مفہومات کے لئے بولا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی بعض آیات جن میں کفار کے بجائے مومنوں کو اولیا بنانے کا ترغیبی ذکر ملتا ہے ان کے سیاق و سباق کا مطالعہ کرنے سے بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم "وہ صریح طور پر پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے اور شہریوں کا اپنی ریاست سے اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۲ ص۱۶۱ حاشیہ ۵۰ مختصراً)

کا موجب ہے کیونکہ لازم کا عدم ملزوم کے عدم کا بھی مستلزم ہے۔"

چنانچہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ موالات پر اپنی خفگی وغضب اور ہمیشہ عذاب میں رہنے کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ یہ جان لو کہ ان کی ولایت سے کچھ حاصل نہ ہوگا مگر اس کو جو خود مومن نہ ہو۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر، اسکی نازل کردہ کتاب پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کے ساتھ موالات نہیں رکھتے بلکہ ان کے ساتھ عداوت کا رویہ اختیار کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

۱ "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ	ترجمہ: "جو لوگ اللہ پر اور قیامت
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے
يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ	ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا	ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ	جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف
اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ	ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا
بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔" [۱۳]	

دُنیائے عرب کے ایک مشہور اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی "مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: "اس سے مراد محض کفر کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ وجدل اور جارحانہ کاروائی کرنا ہے۔" (الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی)

۲۔ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	ترجمہ: "اے ایمان والو اپنے باپوں
تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ	کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق
اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا	مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ
الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ	ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ
يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ	ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے)

---

[۱۳] سورۃ المجادلہ۔ ۲۲ پ ۲۸ [۱۴] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۳

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ [۱۵] اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے (ظالم اور) نافرمان ہیں" [۱۶]

۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۔ اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۞ [۱۷]

ترجمہ: "اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔ رسول کو اور تم کو اس بناپر کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کرے گا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ اگر ان کو تم پر دسترس ہو جاوے تو (فوراً) اظہار عداوت کرنے لگیں اور (وہ اظہار عداوت یہ

---

[۱۵] سورۃ التوبہ۔ ۲۳ پ (مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ سورہ توبہ کا دوسرا نام سورہ البراءۃ بھی ہے "براءۃ" اس لحاظ سے کہ اس کے آغاز میں مشرکین سے بری الذمہ ہونے کا اعلان ہے" (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۶۶)،

[۱۶] اختصار شدہ بیان القرآن ص۱۷۱ [۱۷] سورہ الممتحنہ ۔ ۱، ۲ پ ۲۸

کہ) تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں (یہ دنیوی اضرار ہے) اور (دینی اضرار یہ کہ) وہ اس بات کے متمنی ہیں کہ تم کافر (بھی) ہو جاؤ۔" [۱۸]

ان آیات کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں: "مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے اور ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عروہ بن زبیر وغیرہ حضرات کی متفقہ روایت بھی یہی ہے کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا تھا جب مشرکین مکہ کے نام حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔" (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۲۲ حاشیہ ۱)

اور علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں کہ سورہ الممتحنہ کی یہ آیت مشرکین مکہ کے ساتھ موالات رکھنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عملی طور پر جنگ کی اور مسلمانوں کو محض اس جرم کی پاداش میں کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ واحد ہے، ناحق ان کے گھروں سے بے گھر کیا تھا۔ ظاہر ہے ان حالات میں مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے موالات کے تعلقات قطعاً جائز نہیں ہو سکتے تھے، مگر پھر بھی قطعاً ان سے تعلقات منقطع کرنے یا ان سے دوستی قائم ہونے کے امکان پر مایوسی کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ ذرا آگے اسی سورہ کی آیت ۷ میں فرمایا گیا: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۭ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [۱۹]

یعنی "اللہ تعالیٰ سے امید ہے (یعنی ادھر سے وعدہ ہے) کہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمہاری عداوت ہے دوستی کر دے اور اللہ کو بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔" [۲۰] (الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی)

سورہ الممتحنہ کی اس آیت ۷ کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں: "یعنی ان کو مسلمان کر دے جس سے عداوت متبدل بہ صداقت ہو جاوے چنانچہ فتح مکہ کے روز بہت آدمی خوشی سے مسلمان ہو گئے الخ۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۸)

---

[۱۹] سورہ الممتحنہ ۷ پ ۲۸ [۲۰] اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۸

وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ۲۴	اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔" ۲۵
۲۔ "وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا" ۲۶	ترجمہ: "اور میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت کروں گا امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔" ۲۷

علماء فرماتے ہیں: پس یہ براءت ہے اور یہ موالات ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ جو ایک اللہ کی عبادت کے اثبات پر شامل ہے اور اس میں اُس باری تعالیٰ کے علاوہ دوسرے تمام معبودوں کی نفی ہے۔ یہی اسلام کی حقیقت اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت (طریقہ) ہے جسکی اتباع کا ہم سب کو حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" ۲۸	ترجمہ: "پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔" ۲۹

پس اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ کی یہ بعض آیات ہیں جو ظاہری طور پر دلالت کرتی ہیں، واضح برہان اور بین حجت ہیں اس امر میں کہ جو مسلم کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو دوست رکھے یا ان کے شرک کا انکار نہ کرے یا ان کے افعال کی تحسین کرے یا ان کے کفر میں شک کرے تو وہ توحید اور اسلامی شریعت سے لاعلم اور خود بھی

۲۴ سورہ الممتحنہ۔ ۴ پ ۲۸ — ۲۵ اختصار شدہ بیان القرآن ص ۴۹۷-۴۹۸
۲۶ سورہ مریم۔ ۴۸ پ ۱۶ — ۲۷ اختصار شدہ بیان القرآن ص ۲۸۹
۲۸ سورہ النحل۔ ۱۲۳ پ ۱۴ — ۲۹ تفہیم القرآن پ ۱۴

کافر ہے۔
کفار و مشرکین سے مشابہت کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً:
حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:
"من تشبہ بقوم فھو منھم" ۳۰ ترجمہ: "جو شخص کسی دوسری قوم کی مشابہت کرے پس وہ انہی میں سے ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:
اس حدیث سے کفار کے ساتھ مشابہت کی حرمت ثابت ہے۔"
اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "اس حدیث میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کے لباس، اُن کی عبادات، اور ان کی عیدوں (تہواروں) وغیرہ کے طور طریقوں، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے مشروع نہیں کیا ہے کسی طرح کی مشابہت کی سخت ممانعت، تہدید اور وعید ہے۔
جہاں تک مشرکین کی بستیوں کی جانب سفر کرنے اور وہاں قیام کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پیش ہے:
"انا بریئ من کل مسلم یقیم بین ظھرانی المشرکین" ترجمہ: "میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت وحفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔"
اور سمرة بن جندب کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"من جامع المشرك او سکن معه فانه مثله" ترجمہ: "جو شخص مشرک کے ساتھ اکٹھا ہو یا سکونت اختیار کرے تو وہ اُسی جیسا ہے۔"
شیخ سلیمان بن سمحان کا قول ہے کہ "ہر مسلمان پر کفار و مشرکین کی عداوت، ان سے بغض، ان سے دوری اور مفارقت قلبی، جسمانی اور زبانی طور پر کرنا واجب ہے۔"
شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے مذکورہ رسالہ کے یک ورقہ خلاصہ کا اردو

---

۳۰ مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۷۵

ترجمہ اور اس کی مختصر تشریح ختم ہوئی - ترجمہ و تشریح میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ جہاں قرآن کریم کی آیات آئی ہیں وہاں ان کے تراجم و تفاسیر برصغیر کے مشہور اور قابلِ اعتماد علمائے متاخرین کی تصانیف سے نقل کی جائیں -جہاں کوئی وضاحت طلب چیز نظر آئی اسے قوسین کے درمیان یا حواشی میں لکھ کر واضح کیا گیا ہے، تمام آیات کے حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے نیز بعض آیات جو رسالہ میں مختصراً مذکور تھیں لیکن قرآن کریم میں ان آیات کے پہلے یا بعد میں تسلسل کے ساتھ ایک ہی موضوع پر بحث کرتی دوسری آیات نظر آئیں ان کا اضافہ بھی افادۂ عام کے پیش نظر کر دیا گیا ہے -

آں رحمہ اللہ نے رسالہ مذکور میں جو کچھ فرمایا وہ بلاشک وشبہ صدفی صد صحیح اور اسلامی تعلیمات کی مختصر لیکن بیحد جامع ترجمانی ہے کفار و مشرکین کی اسلام اور اہلِ اسلام سے عداوت اور ان کی شر انگیزیوں کے باعث ان کے ساتھ ترکِ موالات کے جو دلائل قرآن کریم کی آیات، احادیث نبویؐ اور ائمہ کبار کے اقوال سے مرتب کئے گئے ہیں، اُن پر کلام کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، اگرچہ اس سلسلہ میں علمائے سلف نے انتہائی شدت اختیار کی ہے لیکن پھر بھی اس پوری بحث میں کسی بھی مقام پر صراحتہً یا کنایتہً یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کی ذات قطعی طور پر خنزیر کی مانند ناپاک ہے یا ان کے ساتھ یا ان کے ہاتھ کی تیار کردہ یا ان کی چھوئی ہوئی حلال اشیاء کے کھانے پینے کی شریعت میں ممانعت ہے کہ جس سے بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب "مسلمانوں کو احتیاط کرنی چاہیئے"

غیر مسلمین (جنمیں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب حتیٰ کہ لادین بھی شامل ہیں) سے مراسم کے متعلق اگر اسلامی تعلیمات کو اجمالی طور پر بیان کیا جائے تو اس سلسلہ میں سورہ الممتحنہ کی آیات (۸ و ۹) جامع اور مکمل دستور کی حیثیت رکھتی ہیں - اس دستور کے پہلے حصہ میں اس غلط فہمی کہ "تمام غیر مسلمین حسنِ سلوک اور عدل و انصاف کے قطعاً مستحق نہیں ہیں" کا ازالہ کیا گیا ہے بلکہ اس میں ان غیر مسلم قوموں کے ساتھ جو اسلامی ریاست، اسلام اور خود مسلمانوں کی دشمن یا ان سے برسرِ جنگ نہیں ہیں ان کے ساتھ نہ صرف عدل و انصاف کرنے کی بلکہ حسنِ سلوک و رواداری کے ساتھ پیش

آتے اور بِرّ" (یعنی ہر قسم کی صلاح و فلاح) کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ اسلام صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھنے سے منع کرتا ہے جو اسلامی ریاست، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف محاذ آرا ہو کر ان کے خلاف بالفعل جارحیت و قوت کا استعمال کریں چنانچہ دولۃ القطر کے ممتاز مصنف اور جید عالم دین علامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں:

"اسلام جہاں اپنے مخالفین کے ساتھ عدل اور حُسنِ سلوک کرنے سے نہیں روکتا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہاں تک کہ وہ بت پرست مشرک ہی کیوں نہ ہوں وہاں وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ خصوصی رعایت برتتا ہے، خواہ وہ دارالاسلام میں رہتے ہوں یا اس سے باہر الخ" (الحلال والحرام فی الاسلام، اُردو ترجمہ صـ۴۲۲ طبع بمبئی بار اوّل)

بہت ممکن ہے یہاں بعض لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی، حُسن سلوک اور رواداری کے مراسم کس طرح پیدا کئے جا سکتے ہیں جب کہ خود قرآن حکیم میں کفار و مشرکین کو دوست اور اپنا حلیف بنانے کی سخت ممانعت اور ایسا کرنے پر شدید تہدید و وعید ہے جیسا کہ اوپر شیخ عبداللہ بن سلیمان بن حمید رحمہ اللہ کے رسالہ کے ترجمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ یُوسف القرضاوی نہایت واضح اور سلجھے ہوئے انداز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیتوں کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ ہر یہودی، نصرانی یا کافر پر اس کا اطلاق ہو، ورنہ یہ بات اُن آیتوں اور نصوص کے متناقض ہوگی جن میں خیر پسند لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں دوستانہ تعلقات کو جائز قرار دیا گیا ہے۔" (الحلال والحرام فی الاسلام اردو ترجمہ صـ۴۲۵-۴۲۶)

اب قرآن کریم کا مقرر کردہ مکمل دستور ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ	ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں
لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ	کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ
وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ	کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ	دین کے بارے میں نہیں لڑے اور
وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ	تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ - اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ
(الممتحنہ - ۸، ۹ پ۲۸)

اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا وہ ظالم اور گنہگار ہوں گے "

(اختصار شدہ بیان القرآن صـ۱۰۹۸)

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ "کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں: موالات یعنی دوستی، مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی، مواساۃ یعنی احسان اور نفع رسانی۔ موالات تو کسی حال میں جائز نہیں ہے اور مدارات تینوں حالتوں میں درست ہے: ایک دفع ضرر کے واسطے، دوسرے اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے، تیسرے اکرام ضیف کے لئے اور اپنی مصلحت و منفعت مال و جان کے لئے درست نہیں اور مواساۃ کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز (ہے)۔"
(اختصار شدہ بیان القرآن صـ۱۰۹۴ حاشیہ ۴)

سورۃ الممتحنہ کی آیات ۸، ۹ کی شرح میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں: "اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک برتاؤ تو خیر ٹھیک ہے مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لئے مخصوص ہے؟ اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ بے انصافی کرنی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سیاق و سباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ عداوت نہیں برتتا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجے

میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سا سلوک کرنا انصاف نہیں ہے۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنہوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے، اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکالنے کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑا۔ مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتے اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں۔ انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔" (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳۳ حاشیہ ۱۲)

ایک اور مقام پر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم فرماتے ہیں (سورہ الممتحنہ میں حاطب بن ابی بلتعہ کی ایک) شدید غلطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کسی مومن کو کسی حال میں اور کسی غرض کے لئے بھی اللہ کے دشمن کافروں کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق نہ رکھنا چاہیئے اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیئے جو کفر و اسلام کی کشمکش میں کفار کے لئے مفید ہو۔ البتہ جو کافر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عملاً دشمنی اور ایذا رسانی کا برتاؤ نہ کر رہے ہوں ان کے ساتھ احسان کا رویہ اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۲۱)

اس امر کی تائید میں ذخیرہ کتب احادیث میں ایک مشہور واقعہ مذکور ہے جو اسطرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ سے ملاقات کے لئے مکہ سے ان کی کافرہ والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ مدینۃ المنورہ اپنے ساتھ بیٹی کے لئے کچھ تحائف لے کر پہنچیں تو حضرت اسماءؓ نے اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ملاقات اور اُن کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی تو آپؓ نے ملاقات کی۔" (مسند احمد و ابن جریر و ابن ابی حاتم عن عبداللہ بن زبیرؓ) ایک اور روایت میں یہی واقعہ خود حضرت اسماءؓ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا اپنی کافرہ والدہ سے ملاقات کروں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ملاقات کی اجازت کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کے لئے بھی کہا۔" (مسند احمد و بخاری و مسلم)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے یہ جملے ہی جویانِ حق کے لئے کافی ہیں

در سابقہ آیات میں کفار سے جس ترک تعلقات کی ھدایت کی گئی تھی اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ ان کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے ان آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اس کی اصل وجہ انکا کفر نہیں بلکہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ روش ہے لہٰذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہیئے اور ان کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیئے جنہوں نے کبھی ان کے ساتھ کوئی برائی نہ کی ہو"۔ (تفہیم القرآن ج ۵ ص ۴۳۴)

علّامہ یوسف القرضاوی فرماتے ہیں: "جن آیتوں میں موالات سے منع کیا گیا ہے ان کا تعلق دراصل ایسے لوگوں سے ہے جو اسلام کے دشمن اور مسلمانوں سے برسر جنگ ہوں۔ ان کی مدد اور پشت پناہی کرنا، انہیں رازدار بنانا اور ملّی مفاد کے خلاف انہیں اپنا حلیف بنا کر ان کی قربت حاصل کرنا کسی مسلمان کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے"۔ (الحلال والحرام فی الاسلام اُردو ترجمہ ص ۴۲۶ طبع ممبئی)

اس امر کی صراحت قرآنِ کریم کی بعض دوسری آیتوں میں بھی ملتی ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِکُمْ لَا یَأْلُونَکُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِی صُدُورُهُمْ أَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْآیَاتِ إِن کُنتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا یُحِبُّونَکُمْ۔"

(آلِ عمران - ۱۱۸، ۱۱۹ پ ۴)

ترجمہ: "اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو (رازدار) صاحب خصوصیت مت بناؤ وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض انکے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے

محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے "۔ (اختصار شدہ بیان القرآن ص۵۸)

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم "صاحب خصوصیت" کی شرح میں فرماتے ہیں:
"یہاں جو غیر مذہب والوں سے خصوصیت کی ممانعت فرمائی ہے اسمیں یہ بھی داخل ہے کہ انکو اپنا ہمراز بنایا جائے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص امور انتظامی میں اس کو دخل دیا جائے۔" (اختصار شدہ بیان القرآن ص۵۸)

بہتر ہے کہ یہاں غیر مسلمین کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں چند اور ضروری باتیں بھی واضح کرتا چلوں یعنی یہ کہ مسلمان خواہ کسی خطۂ ارض سے تعلق رکھتے ہوں دینی امور کے علاوہ تمام فنی و معاشرتی وصنعتی امور میں امن پسند اور بے ضرر غیر مسلمین کے ساتھ بلا تفریق اہل کتاب وغیر اہل کتاب تعاون کر سکتے اور ان سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں، اسی طرح ان کے ساتھ رواداری، حسن معاشرت، بھلائی، عدل وانصاف اور تبادلۂ تحائف وغیرہ کے تعلقات رکھنا بھی جائز ہے۔

تاریخ اسلام کے عہد زرین میں غیر مسلمین کے ساتھ مسلمانوں کے باہمی روابط کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ہجرت کے موقع پر ایک مشرک عبداللہ بن اریقط سے رہبری کی خدمات لی تھیں۔ (ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ حیاۃ محمد مصنفہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری ص۱۶۷ طبع امریکہ ۱۹۷۶ء) حالانکہ رہبری اور وہ بھی ان حالات میں کہ جن میں ہجرت کی گئی تھی، سے زیادہ خطرناک اور نازک بات اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ حنین میں صفوان بن امیہ نے شرکت کی تھی حالانکہ اس وقت وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئے تھے اور ان کا شمار مشرکین میں ہوتا تھا۔

حنبلی مسلک کے فقیہ علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ: "ایسے حالات میں کسی غیر مسلم شخص کا تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے بارے میں عام مسلمانوں کی رائے اچھی ہو"۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص۴۱۴)

ذخیرۂ احادیث میں بکثرت ایسی روایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم بادشاہوں اور کفار کے تحائف قبول کئے

اور خود بھی ان کو تحائف دیتے (بخاری، احمد، ترمذی وطبرانی وغیرہ میں یہ روایات تلاش کی جا سکتی ہیں)

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں اس غیر اسلامی تصور نے کس طرح جگہ پائی تو اس کے دو ممکنات ہیں: اوّل وہ کہ جس کا ذکر راقم الحروف نے اپنے سابقہ مضمون "غیر اہل کتاب کے ساتھ کھانے کا مسئلہ" کے اختتام پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی گفتگو کی اخباری رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا ہے، دوم جو لوگ مختلف ادیان عالم کی تعلیمات، رسم و رواج، ان کے جداگانہ معاشرتی نظام اور ان کے مذاہب کی تاریخ پر نگاہ رکھتے ہیں ان سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص خطہ کے باشندوں کی اکثریت ایک عرصۂ قدیم سے جس نظام زندگی پر کاربند ہے یقیناً وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نظام زندگی کے اثرات اس خطہ کی اقلیت اور اس خطہ کے گرد و نواح کے باشندوں کے معمولاتِ زندگی پر رفتہ رفتہ ضرور مترتب ہوتے ہیں خواہ وہ اثرات اپنی اصل ہیئت میں مترتب ہوں یا کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ۔ یہ متفقہ امر ہے کہ برصغیر کا قدیم ترین مذہب ہندویت (HINDUISM) ہے جس کے اصول و مبادی چار ویدوں (VEDAS) سے ماخوذ ہیں۔ اگر کسی ہندو برہمن کے رہن سہن کا مطالعہ و مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی مذہبی تعلیمات یا معاشرہ کے رسم و رواج کے مطابق کسی نچلی ذات (LOWER CASTE) سے تعلق رکھنے والے فرد کو اچھوت (UNTOUCH-ABLE) یا مجسم نجس سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اچھوت کسی اعلیٰ ذات (UPPER CASTE) کے فرد کا برتن، یا کھانا صرف چھوتے تو اسے پکائے یا ان کے ساتھ بیٹھ کر اپنا کھانا کھائے یا صرف ان کے کھانے پر اس اچھوت کا سایہ بھی پڑ جائے تو اعلیٰ ذات والے فرد کے لئے وہ کھانا اشد رجس (حرام) ہو جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام ہر بنی آدم کو خواہ وہ کسی بھی مذہب اور کسی بھی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو مجسم نجس نہیں بلکہ غیر مسلمین کو اعتقادی طور پر نجس مانتا ہے اور بجائے نفرت و تذلیل کے ہر انسان کا احترام اور اسکی تکریم کرتا ہے کیونکہ قرآن کریم میں خود اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "ولقد کرمنا بنی آدم" یعنی "ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا ہے"

پس معلوم ہوا کہ چھوت چھات (UNTOUCHABILITY) کا نظریہ خالص برہمانہ فلسفہ دینیات (VEDIC THEOPHILOSOPHICAL THOUGHT) پر مبنی ہے جو کسی نہ کسی طرح برصغیر کے بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں رچ بس گیا ہے جس سے وہ لوگ یہ مطلب اخذ کر بیٹھے ہیں کہ کفار و مشرکین کے ہاتھ سے کوئی حلال چیز چھو جائے یا ان کے ہاتھوں پک جائے یا صرف ان کے ساتھ بیٹھ کر کھا لینے سے ہی وہ حلال چیز (نعوذ باللہ نجس و حرام) ہو جاتی ہے، خواہ اس کافر یا مشرک کے اعضائے ظاہری پر بظاہر کوئی غلاظت و نجاست موجود نہ ہو۔ یہاں ایک قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ کیا برصغیر کے ان بعض مسلمانوں پر، جن کے ذہنوں میں یہ غیر اسلامی نظریہ راسخ ہو چکا ہے اس حدیث نبوی کا اطلاق نہیں ہوتا ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم"۔

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلٰوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وَاٰلہ واصحابہ اجمعین

ڈاکٹر اسرار احمد
کی تالیف
استحکامِ پاکستان
اشاعت خاص ۳۰/- ۲۰/- روپے
اشاعت عام ۱۲/- روپے
قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں یا براہ راست درج ذیل پتہ پر لکھیں
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن فون: ۸۵۲۶۱۱

پاکستان کیوں بنا ___ کیسے بنا
پاکستان کیوں ٹوٹا ___ کیسے ٹوٹا
اب ٹوٹا تو ---
پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں امید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں ___ وطن کی محبت
سطر سطر میں ___ ایمان کی چاشنی
عمل کا پیغام ---

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

مہد سے لحد تک

بلاشبہ انبیاء علیہم الصلوٰات والتسلیمات رفتارِ زمانہ کی تیز و تند آندھیوں کی سمت و جہت اور رُخ موڑنے کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اُن کا کام حالات کی رَو میں بہہ جانے کی عافیت پسندی نہیں بلکہ ان کا دھارا بنانے اور کایا پلٹنے کی مہم جوئی ہوتا ہے۔ وہ سب "بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ" کے حکم الٰہی کے مخاطب اور اسی کی تعمیل میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں بڑی حکمت و دانائی کے ساتھ اپنی امتوں کو راہ حق کی طرف بُلاتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں آنے والی ہر سختی اور مصیبت کو کمالِ خندہ پیشانی سے سہتے اور برداشت کرتے ہیں قوم کی طرف سے عداوت و مخالفت میں جسقدر زیادہ ہوتی جاتی ہے نبی کی طرف سے اصلاح و خیرخواہی کی کوششوں میں اُسی کے بمقدار اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

بلا استثناء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاءؑ کی سوانحعمریاں کھنگالیں، مجاہدے، محنتیں اور مشقتیں ہی دکھائی دینگی اور "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" کی عملی صورتیں اور خارجی شکلیں۔

قرآن و توریت اور تواریخ تینوں اسی بات پر متفق ہیں کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی ابتلاؤں اور آزمائشوں کی آماجگاہ بنی رہی اور آپؑ ساری عمر اُن کے نرغے میں محصور۔ ولادت ہی سے مشکلات و امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور زیست کے آخری لمحات تک قائم رہا یہ مشکلات اور آزمائشیں کیا تھیں ہم انکی تعیین میں علماء سخت مضطرب اور مختلف الرائے ہیں اس اضطراب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم میں "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کو "وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ" پر مرتب اور مفرّع کیا گیا ہے - اب اولاً تو امامت مذکور کی تشخیص میں کہ وہ نبوّت و رسالت ہی ہے یا اس سے زائد کوئی اور چیز اور پھر اس کی کیا حقیقت ہے؟ اچھا خاصہ اختلاف برپا ہے - اہل تشیّع اسی تفریع کی وجہ سے امامت کو نبوّت سے فائق قرار دیتے ہیں اور پھر اس سے اپنے ہاں کی وہی مصطلح امامت مراد لیتے ہیں جس کا سلسلہ اُن کے ہاں حضرت علیؓ سے شروع ہو کر محمد بن حسن العسکری المہدی المنتظر پر ختم ہوتا ہے - اہل سنت والجماعت کے نزدیک امامت، نبوّت سے بلند و بالا کوئی مستقل منصب نہیں بلکہ خود ہی نبوت یا اس کے اندر ایک اضافی انعام اور اعلیٰ مقام ہے، پھر اس مخصوص سیاق و سباق میں اس سے مراد خلیل اللہ علیہ السلام کی وہ عمومی پیشوائی اور اعزاز و اکرام ہے جو ان کے بعد آنیوالی تمام نسلوں کو بلاچوں وچرا تسلیم ہے نیز اسی میں یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ آپؑ کے بعد انسانیت کے تمام سچے ہادی و رہنما آپؑ ہی کی نسل سے پیدا ہوتے رہے -

ثانیاً کلمات کی تشریح میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے - چنانچہ بعض حضرات تفریع کی رعایت سے انہی مشکلات و امتحانات کو ان کا مصداق سمجھتے ہیں جو خلیل اللہ علیہ السلام کی نبوّت یا کم از کم امامت سے پہلے کی زندگی میں پیش آئے اور بعض اس ترتیب کی رعایت نہیں کرتے -

ہمارے خیال میں امامت کی تفریع سے، کلمات کی تشریح و تعیین میں انکی وقوع کی زمانی سبقت و اولیّت کی رعایت قطعاً غیر ضروری ہے یہ خدا تعالیٰ کا کلام ازلی ہے اس میں تفریع کی صحت کے لئے خلیل اللہؑ کی اخلاص و للّٰہیت اور کمال عبودیت سے متعلق خدا تعالیٰ کا وہی علم ازلی کافی ہے جس میں ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے بھی بہت پہلے ان کے لئے ان کی طرف سے ظاہر ہونیوالے عظیم الشان کارناموں کی بدولت امام الناس کا لقب ثابت اور مختص ہو چکا تھا - اس کی ایک مثال میثاق طور کے موقعہ پر بنی اسرائیل کے قول "سَمِعْنَا" کے ساتھ "عَصَيْنَا" کا الحاق بھی ہے یہاں بعض لوگوں کی ناگفتنی توجیہات کی بجائے صاف ستھرا مطلب یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے ان کے زبانی قول کے پہلو بہ پہلو ان کے اس عملی بغاوت کی اطلاع بھی بہم پہنچائی جو وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کو اپنے علم ازلی سے معلوم تھی -

اس گذارش کے بعد ہمیں کلمات کی توضیح کے سلسلے میں امام قفالؒ کی رائے بہت پسند ہے وہ فرماتے ہیں کہ کلمات سے مراد حیاتِ ابراہیمیؑ کا ہر وہ چھوٹا بڑا واقعہ ہے جس سے کسی انسان کے صبر و شکر اور تفویض و حوالگی کا امتحان لیا جا سکتا ہے اس تاویل سے کلمات کی تعیین میں منقولہ تمام اقوالِ سلف کا پورا مجموعہ ہی وہ مبتلیٰ بہ ہے کہ جنہیں کامیابی پر آپؑ کو امام الناس کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔

ہم اس باب کے اندر اسی سلسلے کے بڑے بڑے واقعات کو کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں انہی کے بین السطور میں خلیل اللہ علیہ السلام کے اس صبر و ثبات، عزم و استقلال اور وفاداری و جان سپاری کی جھلکیاں بھی دیکھی جا سکیں گی جن کی بدولت وہ فَاَتَمَّھُنَّ اور "وَفّٰی" جیسے جامع الفاظ سے خدائی مدح و ستائش کے مستحق ٹھہرے۔

حق و باطل کی پہلی آویزش

غار سے نکلتے ہی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو شرک اور صورت پرستی کے عین درمیان میں پایا، والد آزر بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ بت ساز اور بت فروش بھی تھا اور ان کا گھر بت پرستی کا سب سے بڑا اڈہ اور مرکز تھا۔

آزر بت فروش اپنے بیٹے کو بھی بت فروخت کرنے کے لئے شہر کے مختلف اطراف میں بھیجتا، بیٹا گلی گلی سے یہ صدا لگاتے ہوئے گزرتا "ہے کوئی ان بتوں کو خریدنے والا جو نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان"، شاید لوگ اس خدا کو اس سیدھے سادھے لڑکے کی فاتر العقلی یا کسی قسم کے بھول و ذہول پر محمول کرتے جوان کی طرف سے اغماض برتتے۔

بہر حال کوئی ایک بت بھی بیچے بغیر گلیوں کا گشت ختم ہو جاتا اور ابراہیم علیہ السلام بتوں کی سالم گٹھڑی کو لے کر ایک نہر کے کنارے پہنچ جاتے وہاں ایک ایک بت کو لیکر اس کے سر کو پانی میں ڈبوتے اور آنے جانے والوں کو ان کی بے بسی اور بے حسی کا عملی مشاہدہ کرواتے ــــ لئے ان سے کہتے "پیو پانی پیو"۔

دعوت و تبلیغ کا عجیب و غریب انداز ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بعد کی زندگی میں اختیار فرمایا گیا عجب اس کا آغاز طفولیت کے اسی طرز عمل سے ہوا ہو یہ واقعہ

اپنی رُوح میں دعوت و تبلیغ کے اُن بے شمار واقعات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے جن میں ابراہیم علیہ السلام نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر حکمت کے ساتھ ساتھ اپنی دلیری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ بلاشبہ اہل زمانہ کے رجحانات بلکہ اعتقادات کے علی الرغم بتوں کی ایسی اہانت و استخفاف ابراہیم علیہ السلام جیسے مؤحد اعظم سے ممکن اور متصوّر ہو سکتا تھا۔

بت پرستی کی شناعت و قبیح اور بالواسطہ دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ نہ جانے کتنے عرصے تک جاری رہا ہوگا بالآخر وہ وقت آیا کہ آپ نے کُھل کر بتوں اور بت پرستوں کے خلاف آواز اُٹھائی چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آذر سے مخاطب ہو کر کہا۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (سورۃ انعام آیت ۷۴)	اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا کیا آپ بتوں کو معبود بناتے ہیں؟ میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کُھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

اسی مخاطبت کو ایک دوسرے مقام پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے

يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ (سورۃ مریم آیات ۴۲ تا ۴۵)	ابا جان! آپ ایسوں کی کیوں عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں ابا جان! میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھی راہ پر لے چلوں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں واقعی شیطان رحمان کا بڑا نافرمان ہے ابا جان مجھے ڈر ہے کہ آپ پر رحمان کا عذاب نہ آجائے اور آپ شیطان کے دوست ہو جائیں

اس خطاب کے اندر جس لطافت سے حکمت و دانائی بھری گئی ہے اور جس انداز سے دعوت و تبلیغ کے آداب و شرائط کو سمویا گیا ہے بلا ریب وہ کسی عظیم المرتبت اور برگزیدہ نبی کا کام ہو سکتا ہے خطاب کے ہر جملے کو یَا اَبَتِ "اے میرے ابا جان" کے مؤدبانہ اور فرزندانہ صیغے کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔ جو عقیدتمندی اور خیر خواہی کے انتہائی پاک اور نازک تأثرات اور احساسات کو لئے ہوئے ہے پدری احساس کو ابھارنے اور شفقت و مہربانی کے جذبات کو اپیل کرنے والے اس ارجمندانہ انداز سے بہتر کوئی طرز سخن متصور ہی نہیں، پیغمبرانہ لب و لہجے کی رقت آمیزیوں کے ساتھ یہ خطاب یقیناً پتھر سے پتھر دل کو کو بھی موم کرتا ہوگا۔ اس کے بعد بڑے حکیمانہ طریقے سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ معبود کی عبادت اور پرستش اسی لئے کی جاتی ہے کہ آڑے وقت میں کام آئے یہ بت تو سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں تو ہماری فریاد کو کیسے سنیں گے اور بدحالی کو کیسے دیکھیں گے جو امداد و اعانت کے لئے پہنچ جائیں، پھر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ بت پرستی کی لاحاصلی کچھ میرا اپنا قیاس و تخمینہ نہیں بلکہ ایک ایسے مستند ذریعۂ علم کی تعلیم و تلقین ہے جو آپ کو حاصل نہیں، پھر اپنے دعوے کو عقل کی تائید کے بعد نقل کی کمک پہنچائی جاتی ہے اور اسی کی روشنی میں اپنی اتباع کی دعوت و ترغیب دی جاتی ہے جو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی سے عبارت ہے پھر بت پرستی کو ایک انتہائی قابلِ نفرین عنوان سے پیش کیا جاتا ہے یعنی بتوں کی پوجا در حقیقت شیطان کی پوجا ہے جو اپنے ہی محسن اعظم کا سب سے بڑا ناشکرا اور نافرمان ہے پھر عذاب کا اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے اور شیطان کی رفاقت کی عاقبت سے ڈرایا جاتا ہے۔

یہ وہ پہلی آزمائش تھی جسمیں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا۔ پیغمبرانہ دل و دماغ میں پدریت کا کیا مرتبہ و مقام ہوگا اور اس کے احترام کی کیا حالت ہوگی اب حق کی خاطر ان کو کچھ ایسی باتیں کہنی پڑ رہی ہیں جن سے مدتوں کے بت پرست باپ کا ناراض ہونا یقینی تھا اور برہم ہو کر ابراہیمؑ کو گھر بار سے بے دخل کرنا متوقع۔ لیکن خدا کے خلیلؑ نے یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے گوارا کر لیا اور بڑے واضح اور دو انشگاف الفاظ میں بت پرستی کی خامیاں ظاہر کیں۔

آذر کی ضلالت میں ہدایت اور سنگدلی میں رقت کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے ابراہیم علیہ السلام کا طرز تخاطب اس قدر معقول اور مسکت تھا کہ آذر کو اپنے عقیدے کی صحت

وحقانیت کی بات تو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے غیظ وغضب کا وہی طریقہ اختیار کیا جو ایسے موقع پر لاجواب ہوکر ہر کج راہ و بدمزاج آدمی اختیار کرتا ہے پہلے تو انتہائی طعنہ آمیز لہجے میں یہ استفسار کیا۔

اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ج	ابراہیمؑ! کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے۔

اور پھر کسی ناموافق بات سننے کے اندیشے سے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ دھمکی دی جو ہر خشمناک باپ ان کی مرضی کے خلاف چلنے والے بیٹے کو دیا کرتا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ (سورۃ مریم آیت ۴۶)	اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔

آذر کے اس جواب سے ابراہیم علیہ السلام کو جو کوفت ہوئی ہوگی اور انکی اس بیزارگی سے اُس کے اُمیدوں کی بہاریں جیسی اُجڑ چکی ہوں گی ایک حساس بیٹے کو اس کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں عام طور پر بڑی ہوشمند، عالی حوصلہ اور بدشناس اولاد بھی ایسے موقع پر حواس باختگی کا شکار ہو جاتی ہے اور جواب الجواب میں کوئی نہ کوئی غیر محتاط کلمہ ایسا زبان سے نکل جاتا ہے جو عظمتِ ابوّت کو راس نہیں آتا مگر ابراہیم علیہ السلام صرف بیٹے نہیں تھے وہ حقیقی معنوں میں خلیل اللہ اور خلعتِ الٰہی میں ایسے فنا تھے کہ جذبات کے طوفان اُمڈ کر گزر جاتے مگر آپ کے ضبط وتحمل کو فقط ہلا تک نہ دیتے۔

آپؑ نے بڑے اطمینان سے اپنے باپ کو رخصت ومتارکت کا سلام کیا اور فرمایا:

سَلٰمٌ عَلَیْكَ ج سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ط اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ص عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝	سلامتی ہو تمہارے اوپر میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش طلب کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ خدا کے سوا پکارتے ہیں کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو

(سورۂ مریم آیات ۴۷، ۴۸) پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر نا امید نہیں رہوں گا۔

یعنی نہ صرف یہ کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دیا بلکہ اس کی سلامتی کی دعا کی اور اپنے رب کی مہربانی کے بھروسے پر اس کی مغفرت طلب کرنے کا عزم بھی ظاہر فرمایا پھر یہ محض لفاظی اور عبارت آرائی بھی تو نہیں تھی جو باپ کی چاپلوسانہ خوشامد کی غرض سے اختیار کی گئی ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی اور خلوص و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی وہ باتیں تھیں جو اپنے پیچھے عمل کا زوردار داعیہ چھوڑ گئیں۔

ابراہیمؑ نے باپ کی مغفرت کے لئے مختلف مواقع میں دعائیں فرمائیں مثلاً:

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ — اے ہمارے رب مجھے اور میرے ماں باپ اور ایمان والوں کو بخش دے جس دن حساب قائم ہو۔

(سورۂ ابراہیم آیت ۴۱)

وَاغْفِرْ لِأَبِي إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ — اور میرے باپ کو بخش دے وہ گمراہوں میں سے ہے اور جس دن لوگ اکٹھا کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجیو۔

(شعراء آیت ۸۶، ۸۷)

پھر آپ برابر استغفار کرتے رہے تا آنکہ اس کا "عَدُوٌّ لِّلّٰهِ" ہونا آشکارا ہو گیا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ — لیکن جب اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

(سورہ توبہ آیت ۱۱۴)

اسلامی تصوّف کے موضوع پر

مشہور محقق پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی

مایۂ ناز تالیف

اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش

اس کتاب میں فاضل مولف نے ان عناصر اور عوامل کی نشاندہی کی ہے کہ جن کی وجہ سے اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہو گئی۔

یہ مایہ ناز کتاب قارئین کے بے حد اصرار پر اب دوبارہ عمدہ طباعت اور ڈائی دار جلد کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کے حُسنِ ظاہری میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

آفسٹ پیپر پر اعلےٰ طباعت، مضبوط اور خوبصورت ڈائی دار جلد

ناشر

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

پروفیسر محمد اسلم
(شعبۂ تاریخ، پنجاب یونیورسٹی لاہور)

مولانا عبیداللہ سندھی کے سیاسی مکتوبات

مولانا عبیداللہ سندھی کا نام سنتے ہی ایک فعال انقلابی شخصیت کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ جہاں تک مولانا کے نظریات کا تعلق ہے، یہ درست ہے کہ اُن کے بارے میں متضاد آرا سامنے آئی ہیں اور اس معاملے میں بہت کچھ قیل و قال کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن جہاں تک اُن کے خلوص و اخلاص اور مجاہدانہ کردار کا تعلق ہے وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ عنوان مندرجہ بالا کے تحت پروفیسر محمد اسلم صاحب کا ایک نہایت مفصّل گرانقدر تحقیقی مضمون پنجاب یونیورسٹی کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے مجلّہ میں شائع ہوا تھا جس میں سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے سوانحی خاکے قارئینِ حکمتِ قرآن کی دلچسپی کے لیے شائع کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

گذشتہ سال مجھے نشتر میڈیکل کالج ملتان کے بانی ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے از راہ شفقت مجھے اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی مرحوم و مغفور کے نوادرات اور ذاتی کاغذات دکھائے۔ ان نوادرات میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے درجنوں خط موجود تھے۔ میں نے ان خطوط میں دلچسپی ظاہر کی تو اگلے روز ڈاکٹر صاحب قبلہ نے ان کے عکس مجھے عنایت فرمائے۔ میں نے گذشتہ ایک سال ان خطوط کے عمیق مطالعہ اور تدوین و ترتیب میں صرف کیا ہے اور اب ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ صاحب کے شکریہ کے ساتھ انھیں شائع کر رہا ہوں۔

مکتوب نگار کا تعارف :

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو چیانوالی ضلع سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام بوٹا سنگھ تھا۔ ان کا والد رام سنگھ ان کی ولادت سے چار ماہ پہلے سؤر کا شکار

ہوگیا تھا ۔ اس لیے ان کی پرورش کی ذمہ داری ان کے دادا جسپت رائے نے سنبھالی لیکن دو سال بعد وہ بھی راہی ملک بقا ہوا ۔ اپنے مسر کی وفات کے بعد ان کی والدہ انھیں لے کر جام پور (ضلع ڈیرہ غازیخان) چلی گئی ۔ جہاں اس کے دو بھائی بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے ۔ مولانا سندھی کی تربیت اور پرورش کی ذمہ داری ان کے ماموؤں نے لی اور جب وہ سکول جانے کے قابل ہوگئے تو انھیں اردو مڈل سکول جام پور میں داخل کروا دیا ۔

۱۸۸۴ء میں ان کے ایک آریہ سماجی ہم جماعت نے ایک نو مسلم عالم مولانا عبیداللہ مالیر کوٹلوی رح کی مایۂ ناز تصنیف تحفۃ الھند انھیں مطالعہ کے لیے دی جس کے مطالعہ سے اسلام کی حقانیت ان کے دل پر نقش ہوگئی اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا[1] ۔ تحفۃ الھند کے مصنف کے نام کی رعایت سے انھوں نے اپنا نام عبیداللہ تجویز کیا اور گھر والوں سے چھپ کر نمازیں ادا کرنے لگے ، لیکن یہ صورت حال خود ان کے لیے قابل قبول نہ تھی ۔ اس لیے موصوف ۱۵ اگست ۱۸۸۷ء کو اپنے گھر سے فرار ہوگئے اور مختلف مدرسوں اور خانقاہوں کے چکر کاٹتے ہوئے بھڑ چونڈی شریف میں سید العارفین حافظ محمد صدیق رح کی خدمت میں پہنچ گئے ۔ اس بزرگ نے انھیں اپنے بیٹوں کی طرح رکھا اور ان کے حق میں یہ دعا کی ''خدا کرے کہ عبیداللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے ۔''

بھڑ چونڈی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مولانا سندھی دین پور شریف چلے آئے اور وہاں مولانا غلام محمد صاحب کی خدمت میں رہ کر ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں انھیں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مل گیا اور حافظ محمد صدیق رح کی دعا سے انھیں وہاں حضرت شیخ الھند مولانا محمود حسن رح اور مولانا رشید احمد گنگوہی رح جیسے بزرگوں کی صحبت ملی ، جس نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ۔

انیسویں صدی کے آواخر میں برعظیم پاک و ہند کے طول و عرض میں میاں نذیرحسین محدث کے درس حدیث کا بڑا شہرہ تھا ۔ مولانا سندھی نے دہلی جا کر ان سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کی سماعت کی ۔ اسی

---

۱ ۔ مولانا سندھی کے ابتدائی حالات ان کی خود نوشت ۔ سرگزشت کابل ۔ سے ماخوذ ہیں ۔

طرح کچھ عرصہ کانپور میں رہ کر مولانا احمد حسن کانپوری سے حکمت و فلسفہ کی بنیادی کتابیں پڑھیں اور رام پور جاکر مولوی ناظر الدین سے منطق کا درس لیا ۔ مولانا سندھی نے آخری چند ماہ دیوبند میں اپنے محبوب استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں گزارے اور ۱۸۹۱ء میں ان کی دعائیں لےکر امروٹ شریف روانہ ہوئے ۔ امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی خواہش پر مولانا سندھی نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ان کی تحریک پر اسلامیہ سکول سکھر کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان کی دختر نیک اختر سے ان کا نکاح ہوگیا[1] ۔

۱۹۰۱ء میں مولانا سندھی سندھ کے ایک بڑے روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہوگئے جہاں پیر صاحب جھنڈا کی سرپرستی میں انھوں نے مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد رکھی ۔

مولانا سندھی کی زندگی میں ۱۹۰۸ء بڑا اہم سال ہے اور یہیں سے ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ اسی سال حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں دیوبند طلب فرما کر جمعیت الانصار کی تاسیس کا کام ان کے سپرد کیا ۔ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر دیوبند کے ارباب اہتمام ان کے مخالف ہوگئے اور مدرسین دارالعلوم میں سے مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ان کی مخالفت شروع کر دی جو ان کی تکفیر پر منتج ہوئی ۔ ان حالات میں حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ پر موصوف دیوبند سے دہلی منتقل ہوگئے ۔ جہاں انھوں نے ۱۹۱۲ء میں نظارۃ المعارف کی بنیاد رکھی ۔ حضرت شیخ الہندؒ ، حکیم محمد اجمل خان اور نواب وقار الملک جیسے بزرگ اس ادارے کے سرپرست بن گئے ۔

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تو برعظیم[2] سے بیشتر انگریزی فوج مشرق وسطیٰ اور یورپ کے محاذ پر روانہ ہوگئی ۔ حضرت

---

۱ ۔ مولانا عبیداللہ سندھی، سرگزشت کابل، مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء ، ص ۹ ۔

۲ ۔ Sub Continent کا صحیح ترجمہ برعظیم ہے ، نا کہ برصغیر ۔

شیخ الہند" اور ان کے رفقاء نے اس موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے برعظیم کو برطانیہ کے تسلط سے آزاد کرانے کی ٹھانی اور اس مقصد کےلیے سرحد کے آزاد قبائل کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کا کام مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی کے سپرد کیا ۔ مولانا عزیر گل ، حضرت شیخ الہند" اور حاجی صاحب کے درمیان رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے[1] ۔ حضرت شیخ الہند" نے مولانا عبیداللہ سندھی کو اپنے مشن کی تکمیل کے لیےکابل روانہ فرمایا ۔ حضرت شیخ الہند" یہ چاہتے تھے کہ امیر افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے اور ادھر حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربی قبائلی لشکر کے ساتھ انگریزی علاقے پر چڑھائی کر دیں ۔ ادھر برعظیم کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں ۔ انگریز ان دنوں یورپ اور مشرق وسطی کے محاذوں پر جرمنی اور ترکی کے خلاف نبرد آزما تھے ۔ اس لیے وہ برعظیم کا دفاع نہیں کر سکیں گے اور بالاخر برعظیم آزاد ہو جائے گا ۔

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کوئٹہ اور قندھار ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے ۔ ان کی آمد سے تیرہ روز قبل ہندوستانی ، ترکی ، جرمن مشن کابل پہنچ چکا تھا[1] ۔ اس مشن کی یہ خواہش تھی کہ افغانستان فوراً برعظیم پر حملہ کر دے ۔ اس لیے جب مولانا سندھی کابل پہنچے تو ان دنوں وہاں سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں ۔

انہی ایام میں مولانا عبیداللہ سندھی ، راجہ مہندر پرتاب اور مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی نے کابل میں "حکومت موقتہ ہند" کی بنیاد رکھی اور جاپان اور روس سمیت متعدد ممالک کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ۔ بعض ناسمجھ لوگ مولانا سندھی کو اس بنا پر معتوب کرتے ہیں کہ انھوں نے "حکومت موقتہ ہند" کا سربراہ ایک ہندو (راجہ مہندر پرتاپ) کو کیوں بنایا ؟ مولانا سندھی اور ان کے بعض رفقاء کی تحریروں

---

۱ ۔ یہ بات خود مولانا عزیر گل نے راقم الحروف کو ایک انٹرویو میں بتائی تھی ۔

۱ ۔ ظفر حسن ایبک ، آپ بیتی ، مطبوعہ منصور بک ہاؤس لاہور ، ج ۱ ، ص ۹۱ ۔

سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ جو کام بھی کریں اس میں برعظیم کی اکثریت (ہندوؤں) کو نظر انداز نہ کریں ۔ اس لیے انہیں مجبوراً یا مصلحتاً ایک ہندو کو اس حکومت کا سربراہ بنانا پڑا[1] ۔

مولانا سندھی کی کابل روانگی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلہ میں حجاز مقدس تشریف لے گئے تاکہ وہاں کے ترک گورنر کے توسط سے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کریں اور اسے اس پر آمادہ کریں کہ وہ روس یا ایران کے راستے افغانستان کی فوجی مدد کرے تاکہ افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے ۔ کابل میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی نے اپنی پوری اسکیم ریشمی رومالوں پر لکھ کر عبدالحق نامی ایک قاصد کے ذریعے شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس حیدرآباد سندھ روانہ کی اور انہیں یہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ذریعے یا خود مکہ مکرمہ جا کر یہ خطوط حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دے ۔ جب وہ قاصد ملتان پہنچا تو اپنے ایک قدیم مربی خان بہادر رب نواز خان سے ملنے چلا گیا ۔ خان بہادر نے باتوں باتوں میں اس سے تمام راز اگلوا لیا اور انگریزوں کی خوشنودی کے حصول کی خاطر اسے ملتان ڈویژن کے کمشنر کے حوالے کر دیا[2] ۔ خطوط کی برآمدگی کے بعد برطانوی حکومت چوکنی ہوگئی اور سینکڑوں افراد کو اس سازش میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا ۔ ادھر انگریزوں نے حسین ، شریف مکہ کی وساطت سے حضرت شیخ الہند کو ان کے رفقا سمیت گرفتار کرکے مالٹا میں نظر بند کر دیا ۔

مولانا عبید اللہ سندھی نے شہزادہ نصراللہ خان کو ، جو انگریز

---

۱ ۔ ظفر حسن ایبک ، آپ بیتی ، ج ۱ ، ص ۹۵ ۔

۱ ۔ مولانا عزیر گل نے ایک ملاقات میں راقم الحروف کو بتایا کہ مولانا سندھی میں ایک بڑا نقص تھا کہ وہ ہر کس و ناکس کو اپنا راز دار بنا لیتے تھے ۔

۲ ۔ رب نواز خان کو اس خدمت کے عوض بارہ مربعہ اراضی ملی ۔ (سرگزشت کابل ، ص ۱۱۶) ۔

دشمنی کے لیے افغانستان کے سیاسی حلقوں میں مشہور تھا ، برعظیم پر حملہ کرنے کی ترغیب دی ۔ اتفاق سے انگریزوں کے کان میں اس کی بھنک پڑ گئی اور انھوں نے چہار باغ (قندھار) کے ایک پیر صاحب کو، جو شہزادۂ موصوف کے روحانی مرشد تھے ، اس پر آمادہ کیا کہ وہ شہزادے کو اس اقدام سے باز رکھیں ۔ پیر صاحب فوراً کابل پہنچے اور جب شہزادہ ان کی زیارت کو آیا، تو حضرت صاحب موصوف نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خواب میں فرمایا ہے کہ شہزادہ کو برعظیم پر حملہ کرنے سے باز رکھو ، ورنہ بڑا نقصان ہوگا[1] ۔ مولانا محمد علی کینٹب — مشاہدات کابل و باغستان — میں تحریر فرماتے ہیں کہ انگریزوں نے اس خدمت کے عوض پیر صاحب کو پچاس لاکھ روپے بطور نذرانہ پیش کیے[2] ۔ تحریک کی ناکامی کے بعد یہ بھی معلوم ہوا کہ امیر حبیب اللہ خان پہلی عالمی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا انگریزوں سے بھاری معاوضہ وصول کیا کرتا تھا[3] ۔

امیر حبیب اللہ خاں کے قتل کے بعد امان اللہ خان تخت نشین ہوا ۔ اس کے عہد میں انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ایک جنگ ہوئی جو افغانستان کی تاریخ میں ''جنگ استقلال'' کے نام سے یاد کی جاتی ہے ۔ اس جنگ کے نتیجہ میں انگریزوں نے افغانستان کو خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا اور امیر موصوف سے یہ کہا کہ انگریزوں کے خلاف کابل میں جو کام ہو رہا ہے ، اسے فوراً بند کر دیا جائے ۔ بنابریں حکومت افغانستان نے مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے رفقاء کو سیاسی سرگرمیاں بند کرنے کا حکم دیا ۔ اس پر مولانا کابل سے ماسکو روانہ ہوگئے ۔

ماسکو میں ان کا قیام تقریباً آٹھ ماہ تک رہا ۔ روس میں قیام کے

---

۱ ۔ مولانا عبید اللہ سندھی ، سرگزشت کابل ، مطبوعہ اسلام آباد ، ۱۹۸۰ء ص ۱۷۶ ۔

۲ ۔ محمد علی کینٹب ، مشاہدات کابل و باغستان ، مطبوعہ کراچی ، ص ۳۵ ۔

۳ ۔ ظفر حسن ایبک ، آپ بیتی ، ج ۱ ، ص ۹۹ ۔

دوران میں انھوں نے کمیونزم کا بڑے قریب سے مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسلام کے معاشی نظام کا کوئی جواب نہیں ہے ۔ لیز شاہ ولی اللہ دہلوی نے جس انداز سے مزدوروں ، کاشتکاروں اور اہل صنعت و حرفت کے مسائل حل کیے ہیں ، ویسا حل کمیونسٹ بھی پیش نہیں کر سکے ۔ ماسکو میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی کی روس کے وزیر خارجہ چیچرن سے چند ملاقاتیں ہوئیں ۔ جس کی تفصیل ظفر حسن ایبک کی—آپ بیتی—میں موجود ہے ۔ (یہ غلط ہے کہ مولانا وہاں لینن اور سٹالن سے ملتے رہے) ۔

جولائی ۱۹۲۳ء میں مولانا سندھی روس سے ترکی تشریف لے گئے ۔ ان کی آمد سے قبل اتاترک عثمانی سلطان کے سیاسی اختیارات سلب کر چکا تھا اور اگلے سال اُسے برائے نام خلافت سے بھی محروم کر دیا ۔ مولانا سندھی نے تقریباً تین سال ترکی میں گزارے اور وہاں انھوں نے بڑے قریب سے اتاترک کو ترکی میں اصلاحات نافذ کرتے دیکھا ۔

ترکی میں قیام کے دوران میں مولانا سندھی نے اپنا سیاسی پروگرام شائع کیا ۔ ان کے پیش نظر چند مقاصد تھے ۔

۱ ۔ برعظیم کے لیے کامل آزادی حاصل کرنا اور آزاد وطن میں وفاقی نظام حکومت قائم کرنا ۔

۲ ۔ برعظیم میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں اور اسلام کو محفوظ کرنا ۔

۳ ۔ برعظیم میں محنت کش طبقہ کی اکثریت رکھنے والی حکومت قائم کرنا ۔

۴ ۔ امپیریل ازم کا توڑ کرنے کے لیے ایشیائک فیڈریشن بنانا ۔

اس پروگرام کو بروئے کار لانے کے لیے مولانا سندھی نے سوراجیہ پارٹی کے نام سے ایک سیاسی جماعت تشکیل کی ۔ یہ پارٹی رنگ و مذہب اور مال و دولت کے فرق کو مٹا کر برعظیم میں حکومت قائم کرنا چاہتی تھی[۱] ۔

---

۱ ۔ ظفر حسن ایبک ، آپ بیتی ، ج ۲ ، ص ۱۰۱-۱۰۲ ۔

مولانا سندھی یہ تسلیم کرتے تھے کہ برعظیم کے تین قدرتی حصے ہیں : یعنی شمال مغربی ، مشرقی اور جنوبی[1] - وہ ان حصوں کو لسانی اور تمدنی بنیادوں پر صوبوں میں تقسیم کرکے وہاں جمہوری حکومتیں قائم کرنا چاہتے تھے - یہ جمہوریتیں داخلی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گی اور وفاقی حکومت کے پاس صرف امور خارجہ ، دفاع اور ایکسپورٹ و امپورٹ کے محکمے ہوں گے -

مولانا سندھی یہ چاہتے تھے کہ ان جمہوریتوں کی مجالس قانون ساز میں کسان ، مزدور ، دماغی کام کرنے والے کارک ، تاجر اور کارخانہ دار اپنی آبادی کے تناسب سے ، اپنے ہی طبقے سے نمایندے چنیں - اس طرح ان مجالس قانون ساز میں محنت کشوں کی اکثریت ہوگی اور یہ لوگ اپنے مفاد کی کماحقہ حفاظت کر سکیں گے -

مولانا سندھی فوائد عامہ کے تمام ذرائع قومیانے کے حق میں تھے - اسی طرح وہ منقولہ جائداد کی حد متعین کرنے کے بھی حامی تھے - زرعی زمینوں کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ ایک کاشتکار کے پاس اتنی ہی زمین ہونی چاہیے جس پر وہ خود کاشت کر سکے - وہ سودی نظام ختم کرنا چاہتے تھے اور قومی ملکیت میں لیے گئے کارخانوں کو مزدوروں کی انجمنوں کے ذریعے چلانے کے حامی تھے - داخلی تجارت کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ اسے کواپریٹو سوسائٹیوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اگر کاروباری لوگ چاہیں تو وہ ان سوسائٹیوں کے رکن بن سکتے ہیں ، جہاں تک برآمدات کا تعلق ہے ، یہ حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی -

مولانا سندھی مڈل تک مفت اور لازمی تعلیم کے حامی تھے - وہ محنت کشوں کو مفت طبی امداد اور صاف ستھرے گھر دلانا چاہتے تھے - مولانا کا یہ خیال تھا کہ جمہوریت کا سرکاری مذہب وہاں کی اکثریت کا مذہب ہونا چاہیے ، لیکن وفاقی حکومت سیکولرازم پر کاربند ہو اور وہ کسی جمہوریت کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کرے -

جہاں تک وفاقی حکومت میں ریاستوں کی نمائندگی کا تعلق ہے ،

---

۱ - ۱۹۴۷ء میں برعظیم کی تقسیم اسی انداز سے ہوئی -

مولانا سندھی کی رائے تھی کہ مختلف ریاستیں اپنے تناسب آبادی ، اقتصادی ، تمدنی اور فوجی اہمیت کی بنا پر حق نمائندگی حاصل کریں گی ۔

اس پروگرام کو ان کی سروراجیہ پارٹی عمل میں لائے گی ۔ اس پارٹی کے ہر رکن کے لیے یہ لازمی ہوگا کہ اس کا معیار زندگی ملک کے ایک عام کسان کے معیار زندگی سے بلند نہ ہو ۔ وہ اپنی فاضل آمدنی یا جائداد پارٹی کے نام وقف کر دے ۔[1]

مولانا سندھی نے ترک حکومت کی اجازت سے یہ پروگرام طبع کروا کے اپنے دوست و احباب کو بھیجا ۔ برطانوی حکومت نے ۱۵ مئی ۱۹۲۵ء کو ایک حکمنامہ کی رو سے برِ عظیم میں اس پروگرام کے داخلہ پر پابندی عاید کر دی ۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے مکہ معظمہ میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے نمائندوں کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ حرمین شریفین پر اس کا قبضہ ہو چکا ہے اس لیے اب اس کی مخالفت کرنے کی بجائے افہام و تفہیم کا راستہ تلاش کرنا چاہیے ۔ مکہ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے برِ عظیم سے مسلم زعماء ایک وفد کی صورت میں حجاز پہنچے تھے ، مولانا سندھی ان سے ملنے کی غرض سے اگست ۱۹۲۶ء میں ایک اطالوی جہاز میں سوار ہوکر جدہ پہنچے تو اس وقت کانفرنس ختم ہو چکی تھی اور وہ زعما واپس جا چکے تھے ۔

اگلے تیرہ سال مولانا سندھی نے حرم شریف میں گذارے ۔ مکہ مکرمہ آ کر وہ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہوگئے تھے ۔ ان کا زیادہ تر وقت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصانیف کے مطالعہ اور ان پر غور و فکر کرنے میں گزرتا تھا ۔ وہ اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ صرف شاہ صاحب کی تعلیمات کے ذریعے ہی ممکن ہے ۔

---

۱ ۔ اس پروگرام کی تفصیلات "آپ بیتی" میں موجود ہیں ۔ مولانا کے خیالات کو سمجھنے اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے کے لیے ان کے اس پروگرام کو جاننا ضروری ہے ۔

۱۹۳۷ء میں جب برِ عظیم کے متعدد صوبوں میں کانگرس برسرِ اقتدار آئی تو کانگرسی رہنماؤں نے مولانا سندھی کی واپسی کے لیے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا ۔ ادھر برطانوی حکومت کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مولانا سندھی سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکے ہیں ۔ چنانچہ انھیں واپس وطن آنے کی اجازت مل گئی اور موصوف ۱۹۳۹ء میں برِ عظیم لوٹ آئے ۔

مراجعت وطن کے بعد مولانا سندھی کا قیام جامعہ ملیہ دہلی میں رہا۔ ربع صدی تک غیر ممالک میں رہ کر ان میں وسعت قلب پیدا ہو گئی تھی اور موصوف فرقہ پرستی اور گروہ بندی سے بہت بلند ہو چکے تھے ، اس لیے دیوبند کے اکابرین کے ساتھ ان کا نباہ مشکل ہو گیا ۔ وہ مولانا سندھی کے مخصوص نظریات کی بنا پر ان کی ڈٹ کر مخالفت کرنے لگے ۔ ادھر مولانا مسعود عالم ندوی نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں ان کے خلاف قسط وار مضامین لکھنے شروع کیے جن کا دندان شکن جواب مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے ماہنامہ برہان دہلی میں دیا ، جو بعد میں کتابی صورت میں— مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ناقد—کے عنوان سے چھپ گیا ۔

مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے اور برِ عظیم کے مسلمان اور خصوصاً مذہبی طبقہ بہت پیچھے رہ گیا ہے اس لیے انھیں پرانی ڈگر سے ہٹ کر آگے بڑھنا چاہیے ۔

مراجعت وطن کے بعد انھوں نے اپنے مخصوص نظریات متعدد اصحاب کو املا کروائے اور قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں تفسیر لکھی جن میں مزدوروں ، کاشتکاروں اور محنت کشوں کے مسائل پر زمانۂ حاضر کے تقاضوں کے مطابق روشنی ڈالی ۔ مولانا سندھی کے تلمیذالرشید اور برِ عظیم کے نامور عالم دین ، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فرمایا کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ کے بعد مولانا سندھی سے زیادہ روشن دماغ عالم برِ عظیم میں پیدا نہیں ہوا ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علامہ اقبال کی وجہ سے موجودہ صدی میں مولانا رومی کو دوبارہ شہرت ملی اسی طرح مولانا سندھی کی

وجہ سے شاہ ولی اللہ کا چرچا ہوا ۔

وسط ۱۹۴۴ء میں مولانا عبیداللہ سندھی ، سندھ کا دورہ کر رہے تھے کہ ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور موصوف اپنی بیٹی کے پاس دین پور تشریف لے گئے ۔ یہیں ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو ان کا انتقال ہو گیا ۔ ان کے معتقدین نے ان کے جسد خاکی کو ان کے مرشد مولانا غلام محمد دین پوری کے مزار کے پائنتی دفن کیا ۔ رحمتہ اللہ علیہ واسعۃً و کثیراً ۔

خطوط کی اہمیت :

مولانا سندھی کی اب تک جتنی تصانیف شائع ہوئی ہیں وہ سب املائی ہیں ۔ وہ خود بہت کم لکھتے تھے اور جب کوئی مضمون ذہن میں آتا تو وہ دوسروں کو املا کروا دیتے تھے ۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ وہ کسی مسئلہ پر اظہار خیال کرتے تو سامع گھر جا کر اسے اپنے الفاظ میں قلمبند کر لیتا ۔ اس لیے ان کے ملفوظات بڑی احتیاط سے پڑھنے چاہیں اور یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے : ع

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

یہ بات مشہور ہے کہ مولانا سندھی کے بعض تلامذہ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے موصوف کا نام استعمال کیا ہے ۔

مولانا سندھی کے مکتوبات کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے ۔ وہ تحریک آزادی کے ایک سرگرم کارکن اور نڈر سپاہی تھے اور انھوں نے حصول آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا ۔ یہ خطوط املائی نہیں بلکہ ان کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں ۔ یہ خطوط اس لیے بھی اہم ہیں کہ انھوں نے اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ۱۹۱۶ء میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تھی ۔ یہ وہ وقت تھا جب لکھنؤ میں کانگرس اور مسلم لیگ کے نمائندے باہمی تعاون اور بھائی چارے کے ایک معاہدے پر دستخط کر رہے تھے ۔ ان کا یہ بھی دعویٰ ہے لالہ لاجپت رائے نے جو تجویز پیش کی تھی وہ ان سے ملاقات کے بعد

پیش کی تھی اور اسی بنا پر انگریزوں نے انھیں سائمن کمیشن کی آمد پر عملاً مروا دیا تھا ۔ ۱۹۲۴ء تا ۱۹۲۶ء برعظیم کی سیاست کی بہت سی گتھیاں ان کے خطوط کے مطالعہ سے حل ہوتی ہیں ۔

مکتوب الیہ :

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے مخاطب ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی ۱۸۸۸ء میں سیالکوٹ کے ایک نواحی گاؤں "پورہ ہیراں" میں پیدا ہوئے ۔ ان کے والد بزرگوار چوہدری غلام علی بھٹہ (م ۱۹۲۷ء) اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں انگریزی اورسانس کے استاد تھے اور انھیں علامہ محمد اقبال کے استاد مولوی میر حسن (م ۱۹۲۹ء) سے تلمذ تھا ۔

شیدائی صاحب کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی اور انھوں نے ۱۹۱۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا ۔ طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور اسی زمانے میں ان کا تعارف مولانا شوکت علی (م ۱۹۳۸ء) اور سر محمد شفیع (م ۱۹۳۲ء) سے ہوا ۔ مولانا شوکت علی کی تحریک و ترغیب پر انھوں نے ''انجمن خدام کعبہ'' کی رکنیت قبول کی اور کعبتہ اللہ کے شیدائی ہونے کی وجہ سے انھیں "شیدائی" کا لقب ملا ۔

۱۹۱۷ء میں شیدائی صاحب نے بی ۔ اے کا امتحان پاس کیا ۔ اس زمانے میں برعظیم کی سیاست زوروں پر تھی ۔ ہر مسلمان نوجوان ترکی جا کر انگریزوں کے خلاف لڑنے کا خواہشمند تھا ۔ جنگ عظیم کے دوران میں گورنمنٹ کالج لاہور سے کئی طلبہ ترکی جانے کی خواہش میں کابل پہنچ گئے ۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو حضرت مولانا عبیداللہ سندھی بھی شیخ الہند محمود حسن دیو بندیؒ کی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے کابل پہنچ گئے ۔

شیدائی صاحب نے بھی ہجرت کا ارادہ کیا لیکن ہری پور ہزارہ کے ایک خان نے انھیں آگے جانے سے روک دیا ۔ دوسری بار جب وہ کابل جانے کے لیے گھر سے نکلے تو بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور موصوف کو کچھ دیر کے لیے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا ۔ جب مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) نے ہجرت کا فتویٰ صادر کیا تو

ہزاروں مسلمان اپنی جائدادیں ہندوؤں کے ہاتھوں اونے پونے داموں فروخت کر کے افغانستان کی طرف چل دیئے ۔ انھی مہاجرین کے ساتھ شیدائی صاحب بھی کابل پہنچ گئے ۔ ان کی آمد سے قبل ہی راجہ مہندر پرتاپ اور مولانا سندھی مرحوم ''حکومت موقتہ ہند'' تشکیل کر چکے تھے اور تمام اہم عہدوں پر مختلف اصحاب کا تقرر ہو چکا تھا ، اس لیے شیدائی صاحب کو محکمہ جات مواصلات و جنگ کا نائب وزیر مقرر کیا گیا[1] ۔

کابل میں قیام کے دوران میں شیدائی صاحب ایک خاص مشن پر تاشقند بھیجے گئے ۔ واپسی پر وہ تاشقند میں مقیم ہندوستانی طلبہ کو سمجھا بجھا کر کابل لے آئے ۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں جب مولانا سندھی ماسکو روانہ ہوئے تو شیدائی صاحب بھی ان کے ہمرکاب تھے[2] ۔ ماسکو پہنچتے ہی انھیں ترکی سفارت خانہ سے پاسپورٹ مل گیا اور موصوف ۱۶ مارچ ۱۹۲۳ء کو انقرہ پہنچ گئے ۔

اس وقت تک ترکی میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ مصطفیٰ کمال اتاترک خلیفتہ المسلمین کے اختیارات سلب کر چکا تھا اور اب وہ خلافت ہی کو ختم کرنے کے درپے تھا ۔ شیدائی صاحب جیسے اسلامی اقدار کے علمبردار اور خلافت کے حامیوں کے لیے ترکی میں رہنا مشکل تھا ۔ انھیں ترک حکام نے یہ بھی بتا دیا کہ اتا ترک ان جیسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا[3] ۔ چند روز بعد انھیں ترکی سے ، جس کی حمایت میں انھوں نے اپنا گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑے تھے ، اخراج کا حکم ملا۔ شیدائی صاحب ترکی سے فرانس چلے گئے اور وہاں سے ۱۰ جون ۱۹۲۳ء کو روم پہنچ گئے ۔

مولانا عبیداللہ سندھی اور مولوی برکت اللہ بھوپالی جیسے احباب کے

---

۱ ۔ اقبال شیدائی ، روز نامہ امروز لاہور ، بابت ۸ مئی ۱۹۶۹ء ۔
۲ ۔ ظفر حسن ایبک ، آپ بیتی ، مطبوعہ اشرف پریس لاہور ، ج ۱ ، ص ۲۵۵ ۔
۳ ۔ اقبال شیدائی ، روز نامہ امروز لاہور ، بابت ۹ ستمبر ۱۹۷۳ء ۔

مشورہ پر شیدائی صاحب نے تجارت شروع کی اور وہ عرب ملکوں کے ساتھ کاروبار کرنے لگے ۔ تجارت میں مشغولی کے باوجود وہ اپنے اصل مقصد سے لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے ۔ دنیائے عرب اور ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے اور ان میں سے جو بھی یورپ کی سیر کو جاتا تو شیدائی صاحب کو شرف میزبانی بخشتا ۔

۱۹۳۶ء میں شیدائی صاحب نے شارلوت نامی ایک فرانسیسی خاتون سے شادی کر لی اور اس کا اسلامی نام بلقیس رکھا ۔ ۱۹۳۸ء میں ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام شیرین تجویز ہوا ۔ اس بچی نے ڈینٹل سرجری کی تعلیم پائی اور ان دنوں وہ جنوبی فرانس میں مقیم ہے ۔[۱]

دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر شیدائی صاحب کو فرانس سے اخراج کا حکم ملا ۔ موصوف فرانس سے سوئٹزر لینڈ چلے گئے لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں سے بھی نکالے گئے ۔ جنگ کا زمانہ انھوں نے اٹلی میں گزارا جہاں وہ انگریزوں کے خلاف ریڈیو سے پروگرام نشر کیا کرتے تھے ۔ حکومت اٹلی نے ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انھیں ایک بڑے سول اعزاز سے نوازا[۲] ۔

جنگ کے خاتمہ پر جب پنڈت جواہر لال نہرو کی قیادت میں ہندوستان میں عبوری حکومت قائم ہوئی تو شیدائی صاحب نے وطن واپس آنے کی خواہش کا اظہار کیا ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے پنڈت جی سے اس موضوع پر بات چیت کی تو پنڈت جی کی سفارش پر برطانوی حکومت نے پاسپورٹ جاری کر دیا[۳] ۔

قیام پاکستان کے بعد شیدائی صاحب اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچے اور وہاں مختصر سے قیام کے بعد اپنے وطن سیالکوٹ تشریف

---

۱ ۔ گلزار احمد اعوان ، ڈاکٹر محمد اقبال شیدائی کے احوال و آثار ، تحقیقی مقالہ مخزونہ لائبریری شعبۂ تاریخ ، پنجاب یونیورسٹی ، ص ۷۲ ۔

۲ ۔ ایوارڈ مکتوبہ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ ، ملتان ۔

۳ ۔ محمد اسلم ، مولانا ابوالکلام آزاد کے دو نادر خط ، مطبوعہ ماہنامہ برہان دہلی ، نومبر ۱۹۸۰ء ، ص ۳۵ ۔

لے گئے جہاں عوام نے اس انقلابی مجاہد کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا ۔

پاکستان میں قیام کے دوران میں انھوں نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی ۔ ایک بار انھوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمایندگی بھی کی ۔ جس زمانے میں اسکندر مرزا ، سیکریٹری وزارت دفاع کے عہدہ پر فائز تھا ، اس نے اسلحہ کی خریداری میں دھاندلی کا ارتکاب کیا ۔ شیدائی صاحب نے اس کی اطلاع وزیر اعظم کو دی ۔ اسکندر مرزا اسی دن سے ان کا مخالف ہوگیا اور جب اس نے گورنر جنرل کی حیثیت سے عنان اقتدار سنبھالی تو اس نے شیدائی صاحب کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے ۔ ایک دوست کی عنایت سے انہیں بر وقت اس کارروائی کی اطلاع مل گئی اور وہ چپکے سے اٹلی روانہ ہو گئے[1] ۔

اٹلی میں قیام کے دوران انھوں نے تیورن یونیورسٹی میں اردو پڑھانا شروع کی ۔ اگست ۱۹۶۵ء میں موصوف پاکستان لوٹ آئے اور سیاست سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی کر لی ۔

لاہور میں شیدائی صاحب کا قیام اقبال ٹاؤن میں اپنے بھانجے چوہدری عبدالرحمٰن بھٹہ کے ہاں تھا ۔ راقم الحروف کے ہمسائے چوہدری اشتیاق احمد بھٹہ ، ڈاکٹر جمال بھٹہ کے سمدھی ہونے کے علاوہ ان کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں ۔ اس لیے شیدائی صاحب کی راقم الحروف کے ساتھ اکثر ملاقات رہتی تھی ۔

آخری عمر میں انہیں دل کا عارضہ لاحق ہوا اور ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء کو موصوف اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ راقم الحروف کو ان کی نماز جنازہ میں شرکت کا شرف حاصل ہے ۔ ان کی لوح مزار پر نظیری نیشاپوری کا یہ شعر کندہ ہے ، جو ان کی پوری زندگی کا آینہ دار ہے :

نیست در خشک و تر بیشہ من کوتاہی
چوب ہر محل کہ منبر نشود دار کنم

---

۱ ۔ ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ ، ڈاکٹر اقبال شیدائی ، غیر مطبوعہ ۔

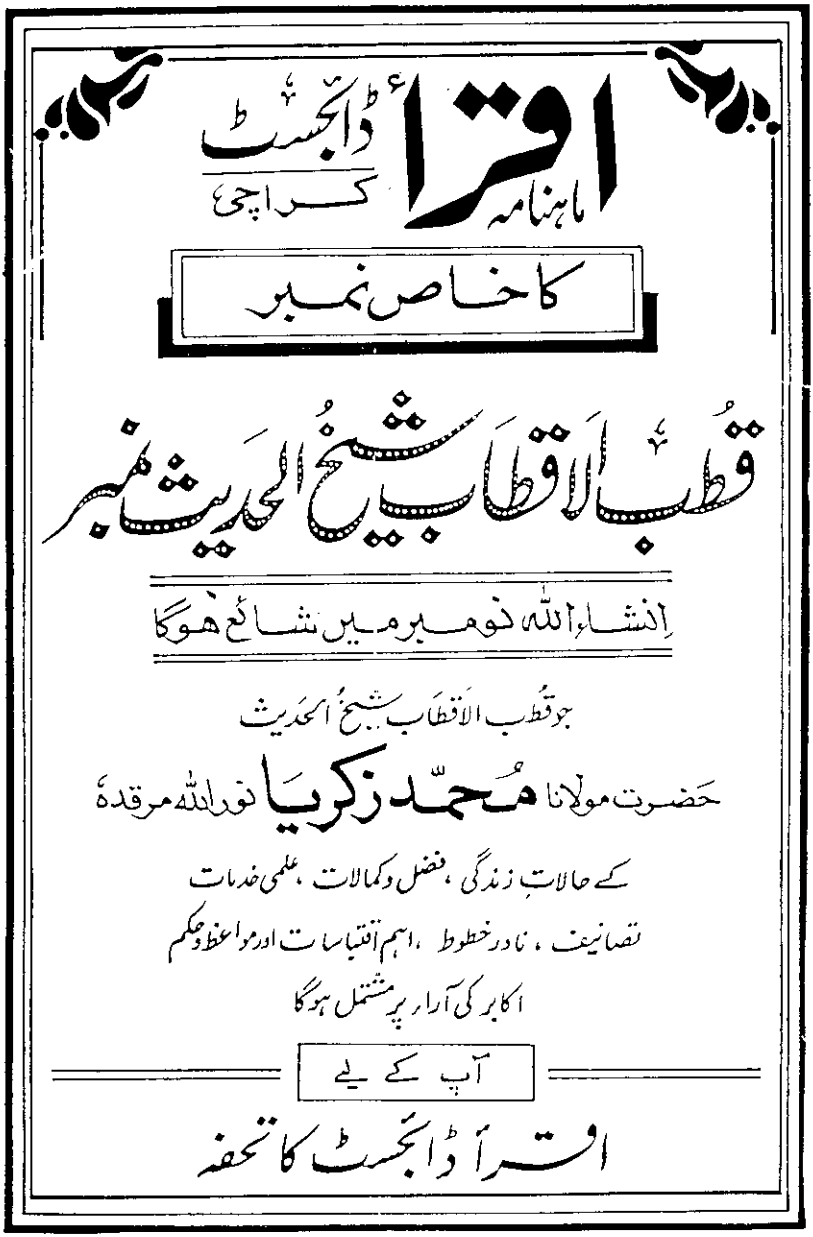
ماہنامہ
اقرأ
ڈائجسٹ
کراچی
کا خاص نمبر
قطب الاقطاب شیخ الحدیث نمبر
انشاء اللہ نومبر میں شائع ہوگا
جو قطب الاقطاب شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ
کے حالاتِ زندگی، فضل و کمالات، علمی خدمات
تصانیف، نادر خطوط، اہم اقتباسات اور مواعظ و حکم
اکابر کی آراء پر مشتمل ہوگا
آپ کے لیے
اقرأ ڈائجسٹ کا تحفہ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: اسلام کا نظام عفت وعصمت مؤلف: مولانا محمد ظفیر الدین بہاری
قیمت -/۴۵ روپے ملنے کا پتہ سنی پبلیکیشنز الوہاب مارکیٹ اُردو بازار، لاہور

بہار ایسا علاقہ ہے جس میں مسلمانوں کی عددی حیثیت تھوڑی ہے لیکن اس سرزمین کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی گود میں ارباب علم وفضل کی ایک بڑی جماعت پلی ہے، انہی میں سے ایک نام مولانا محمد ظفیر الدین کا ہے جو آج دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک کے مرکز دارالعلوم دیوبند کے شعبہ افتاء سے متعلق ہیں اور ایک صدی کے فقہی سرمائے کو خوبصورتی سے مرتب کر رہے ہیں۔

ان کو اللہ تعالیٰ نے منجھا ہوا قلم اور اعلیٰ علمی وتالیفی استعداد سے نوازا ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے جو ۳۹۷ صفحات اور تمہید کے علاوہ ۱۹ بنیادی عنوانات پر مشتمل ہے جب کہ ضمنی عنوانات کی مجموعی تعداد ۳۴۷ ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کتاب عفت وعصمت کے حوالہ سے صنف نازک "عورت" کے گرد گھومتی ہے۔ عورت جس طرح دور جاہلیت میں مظلوم تھی اسی طرح آج جدید جاہلیت کے زمانہ میں بھی مظلوم ہے، اس کی مظلومیت کا ازالہ صرف اسلام کی ان ہدایات پر عمل سے ہو سکتا ہے جو سراپا رحمت وبرکت ہیں۔

کتاب میں مختلف قوانین وضوابط کے تقابلی مطالعہ کیساتھ ساتھ اسلام کی ان ہدایات کو خاص طور پر بڑی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے جو عورت سے متعلق ہیں بچپن سے جوانی، شادی، ماں، بہن، بیٹی الغرض ہر حیثیت کی جزوی تفصیلات بھی فراہم ہونگی اور اندازہ ہو سکے گا کہ ایک بوریہ نشین نے اس طرح اقوام عالم کا لٹریچر کھنگالا ہے۔

سُنّی پبلیکیشنز کے مالکان کی خوش ذوقی کے سبب کتاب عمدہ، طباعت اور جلد سے مزین ہے۔ اور قیمت واجبی۔

(۲)

نام کتاب: نماز پیمبر، تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ
قیمت -/۲۷ روپیہ، ملنے کا پتہ: سُنّی پبلیکیشنز الوھاب مارکیٹ اُردو بازار لاہور

ایک نہایت ہی اہم فریضہ "نماز" کے متعلق یہ نہایت خوبصورت اور مدلل کتاب ہے جس فاضل مؤلف نے مدینہ منورہ کی عطر بیز فضاؤں بلکہ خاص مسجد نبوی اور اس کے بھی مبارک ترین حصہ "ریاض الجنۃ" میں سپرد قلم کیا۔

قرآن، احادیث، سیرت، فقہ و فتاوی وغیرہ کی ۹۳ ضخیم کتابوں کو کئی سال پڑھنے کے بعد یہ گلدستہ مرتب کیا گیا جو اب ۳۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کی طباعت، کاغذ اور جلد میں سے ہر ایک کا معیار خوب سے خوب تر ہے۔

نماز اسلام کا بنیادی اور اہم ترین فریضہ ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا تھا کہ "اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتا دیکھتے ہو" اس کی تفصیلات سے کتب احادیث وسیرت بھری پڑی ہیں۔

ان تفصیلات کو ائمہ اربعہ اور فقہا بالخصوص حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے بڑی تفصیل سے مرتب کیا لیکن بعض حضرات نے فقہاء اور بالخصوص حضرت الامام سے کسی خصوصی عناد کی بنا پر ایسا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے کہ ان کے نزدیک دنیا کی ۳/۴ مسلم آبادی کی نماز ہی نہیں۔ فیصل صاحب نے اس "دعوی" کو روایت و درایت کی روشنی میں پرکھا ہے — اللہ تعالٰی نے اس کتاب کو ایسی مقبولیت نصیب فرمائی کہ تھوڑے عرصہ میں اس کا دوسرا ایڈیشن آگیا۔ حرمین شریفین، برطانیہ، ہندوستان اور پاکستان کے متعدد اور نامور اہل علم نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا — حاصل کر کے اپنی نمازوں کی اصلاح کریں۔

(۳)

نام کتاب: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن قرآن میں تالیف: ابوخالد عبدالرشید
قیمت تیس روپے ملنے کا پتہ: ادارہ صراط مستقیم ۵۹ - بی تاج سینٹر شاہ فیصل کالونی نمبر ۱ کراچی نمبر ۲۵ -

"ازواج مطہرات" مسلمانوں کی قرآنی مائیں ہیں ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ازدواجی رشتہ کے سبب ان کا بھی نصیب جاگ اٹھا اور اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب مقدس میں جا بجا ان کا بڑی محبت سے ذکر کیا ۔

بدنصیب لوگوں نے رسول اکرمؐ کی دشمنی کے پردہ میں ان مقدس خواتین کے خلاف عجیب و غریب قسم کی زبان استعمال کی لیکن اللہ تعالےٰ بھلا کرے ان سعادت مند لوگوں کا جنہوں نے اپنی علمی ، تصنیفی ، تالیفی اور قلمی صلاحیتوں کو ثنا خوانی رسول اور رسول اکرمؐ سے کسی قسم کا رشتہ رکھنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف و دفاع میں خرچ کیا ۔

ابو خالد عبدالرشید صاحب ایسے ہی خوش قسمت فرد ہیں جنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو اس حوالہ سے خرچ کیا اور ۲۵۶ صفحات کی کتاب ان مقدس ماؤں کے متعلق لکھ ڈالی جو کائنات کی مسلم عورتوں کی سرتاج ، سرمایہ اور اسوہ ہیں ۔

پہلے باب میں ازواج مطہرات کی کثرت پر مغربی دنیا کے اعتراضات کا بڑی سنجیدگی سے جائزہ لیا گیا ہے اور بعض گھر کے بھیدیوں کے حوالہ سے اس کی افادیت کو واضح کیا گیا ہے ـــ جب کہ دوسری باب ازواج مطہرات ، ضمناً بنات النبیؐ اور ان سے متعلق بعض دوسری تفصیلات پر مشتمل ہے ۔ یہ کتاب ہر پڑھے لکھے مرد و زن کے کام کی چیز ہے اس کا مطالعہ بڑا مفید ہوگا ۔ ان شاء اللہ ۔

(۴)

نام کتاب : صاحب منبر و محراب از : قمر بدایونی مرحوم

قیمت -/۱۲ روپے ملنے کا پتہ : ادارہ صراط مستقیم ـــ کراچی ۲۵

۱۲۶ صفحات پر مشتمل یہ نظم سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبت ، ان کے کارناموں اور خصوصیات و کمالات پر مشتمل ہے ۔ سبحان اللہ آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں قمر بدایونی مرحوم کے لئے دل سے دعائیں نکلیں ، کتنے خوش قسمت تھے کہ اپنی شعری صلاحیتوں کو اس طرح کھپایا ، ورنہ تو یار لوگوں کو شاہد و شراب سے ہی فرصت نہیں ۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول "مراد رسولؐ" تھے، اُمت کے محسن، مدبّر، منتظم، فاتح، امام عادل اور بہت کچھ، ملّت کا انگ انگ ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس نظم کی اشاعت بکثرت چاہیئے تاکہ شاہین صفت اپنے جلیل القدر محسن کے کارنامہ ہائے حیات سے واقف ہو سکیں۔

ادارہ صراط مستقیم اور اس کے کرتا دھرتا اس عظیم پیشکش پر مستحق تبریک ہیں۔

(۵)

نام کتاب: شہید کربلا از: امام ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ ترجمہ: ہدایت اللہ ندوی
قیمت -/۱۰ روپے، ناشر: حافظ شبیر حسن بھوجیانی میاں چنوں ضلع خانیوال

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ملّت کی متاع ہیں۔ کربلا کے حوالہ سے ان کی شہرت بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن اس قصہ سے متعلق رطب و یابس روایات نے جو الجھنیں پیدا کر رکھی ہیں، ان کا بھی ٹھکانہ نہیں۔

شیعہ حضرات جن کا اسلام، قرآن، صحابہ سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے جناب حسین کو اپنے کھاتہ میں ڈال کر ملّت کا امن ہمیشہ تباہ کیا ضرورت ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کو خاص طور پر چھان پھٹک کر کے از سر نو مرتب کیا جائے۔ اس کیلئے ایسے رجال کار کی ضرورت ہے جو عزم و حوصلہ کے مالک ہوں۔

یہ رسالہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ تاریخ کی بنیادی کتاب البدایہ کے متعلقہ حصّہ کا ترجمہ ہے، یہ ترجمہ ایک ندوی فاضل کے قلم سے ہے اور ندویت ترجمہ کے لئے سند ہے — مورخین اور اہل تاریخ کا معاملہ پنساری کا ہے جن کی دکان میں سبھی کچھ ملتا ہے۔ ان کی کتابیں ہر قسم کی روایات سے مملو ہوتی ہیں، اس رسالہ میں بھی یہی کچھ ملے گا بعض روایات پر مصنف کے اپنے منفی تبصرے بھی ہیں — بہرحال اس نازک موضوع پر بنیادی مواد کے طور پر یہ ایک اچھی کاوش ہے۔

نبی اکرمؐ کی اصل جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کو
کوئی نہیں جان سکتا۔ مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

ہمارے لیے اصل قابلِ غور مسئلہ یہ ہے کہ:

کیا ہم آپؐ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں؟
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دار و مدار ہے

اِس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

ہمارے تعلق کی بنیادیں

کا خود بھی مطالعہ کیجیے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجیے

ھدیہ فی نسخہ : تین روپے۔ تبلیغی مقصد کے لیے یک صد نسخوں پر ۳۳ فی صد کمیشن دیا جائے گا :

سیرتِ نبویؐ کے ضمن میں ۲ دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیمِ اسلامی
کے دروس و تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ!

رسولِ کاملؐ

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ

سورۂ احزاب رکوع ۲، ۳ کی روشنی میں

تبلیغی مقاصد کے پیش نظر ہدیہ صرف چھ روپے فی کتاب محصول ڈاک علاوہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون — ۸۵۲۶۱۱

انجمن خدام القرآن لاہور

تقاریر کے دو مجموعے اعلیٰ دبیز کاغذ

رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم

Regd. L. No. 8193

'HIKMAT-E-QURAN' MONTHLY LAHORE

Vol. 5 | NOVEMBER 1986 | No. 9

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان — اور — سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ امتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ